شمارہ نمبر 44

ذوالحجہ ۱۴۲۸ھ جنوری ۲۰۰۸ء

مکتبۃ الحدیث

حضرو، اٹک : پاکستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحۡسَنَ الۡحَدِيۡثِ

ماہنامہ الحدیث حضرو

نضر الله امرأً سمع منا حديثاً فحفظه حتى يبلغه

جلد: 5 | ذوالحجہ ۱۴۲۸ھ جنوری ۲۰۰۸ء | شمارہ: 1

معاونین

حافظ ندیم ظہیر
0301-6603296

محمد صفدر حضروی
0334-5606841

ابو جابر عبداللہ دامانوی
0300- 7062081

ابو خالد شاکر

اس شمارے میں

عنوان	مصنف	صفحہ
نماز کی حفاظت	ابو معاذ	2
عذابِ قبر اسی زمین پر ہوتا ہے	حافظ زبیر علی زئی	3
توضیح الاحکام	حافظ زبیر علی زئی	6
اُمتِ مصطفیٰ اور شرک	محمد صدیق رضا	12
محمد بن عثمان بن ابی شیبہ....	حافظ زبیر علی زئی	20
ایک روایت اور اس کی تحقیق	محمد خُبیب احمد	28
نماز میں سورۂ فاتحہ پڑھنا	حافظ زبیر علی زئی	39
صحیح بخاری پر مجرمانہ حملے اور....	حافظ زبیر علی زئی	41
ایک غلط فہمی کا ازالہ	ابو جابر عبداللہ دامانوی	49

قیمت

فی شمارہ : 15 روپے
سالانہ : 150 روپے
علاوہ محصول ڈاک

پاکستان: مع محصول ڈاک
200 روپے

برائے رابطہ

مکتبة الحدیث
حضرو ضلع اٹک

ناشر حافظ شیر محمد
0300-5288783

مقامِ اشاعت

مکتبة الحدیث
حضرو ضلع اٹک

کلمۃ الحدیث

ابو معاذ

نماز کی حفاظت

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۙ الَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ﴾ یقیناً ایمان والے کامیاب ہوگئے جو اپنی نماز میں خشوع (عاجزی) اختیار کرتے ہیں۔ (المومنون:۱،۲)

خشوع کا مطلب ہے: عاجزی، انکساری، خوف، نگاہ نیچی کرنا۔ دیکھئے القاموس الوحید (ص ۴۴۱)

دوسری جگہ ارشاد ہے: ''اور جو لوگ اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں۔'' (المومنون:۹)

دینِ اسلام کے پانچ ستونوں میں سے دوسرا بنیادی ستون نماز ہے۔ صحیح مسلم میں آیا ہے کہ ایک آدمی نے (سیدنا) عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہ) سے پوچھا: کیا آپ جہاد نہیں کرتے؟ تو انھوں نے جواب دیا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے: اسلام کی بنیاد پانچ (ارکان) پر ہے: لا إله إلا اللّٰه (اور محمد رسول اللّٰه) کی گواہی دینا، نماز قائم کرنا، زکوٰۃ ادا کرنا، رمضان کے روزے اور بیت اللہ کا حج۔ (۱۶، ترقیم دارالسلام:۱۱۴)

لقمان حکیم نے اپنے بیٹے کو حکم دیا: ﴿یٰبُنَیَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰی مَآ اَصَابَكَ ؕ﴾ اے میرے بیٹے! نماز قائم کر اور نیکی کا حکم دے اور بُرائی سے منع کر اور جو مصیبت تجھے پہنچے اس پر صبر کر۔ (لقمٰن:۱۷)

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''نمازوں کی حفاظت کرو اور درمیانی نماز (عصر) کی حفاظت کرو اور اللہ کے لئے عاجزی وانکساری سے قیام کرتے ہوئے کھڑے ہو جاؤ۔'' (البقرہ:۲۳۸)

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: کون سا عمل سب سے افضل ہے؟ آپ نے فرمایا: ((الصلٰوة في أول وقتها.)) اول وقت پر نماز پڑھنا۔ (صحیح ابن خزیمہ:۳۲۷ وسندہ صحیح، صحیح ابن حبان، الموارد:۲۸۰ وصححہ الحاکم والذہبی ۱/۱۸۸، ۱۸۹)

ہمیں چاہئے کہ ہم پانچوں نمازوں کی حفاظت کا اہتمام کریں اور ہمیشہ اول وقت پر سنت کے مطابق یہ نمازیں پڑھیں تاکہ ہمارا رب ہم سے راضی ہو جائے۔

اضواء المصابیح

عذابِ قبر اسی زمین پر ہوتا ہے

۱۲۷) وعن عبداللّٰہ بن عمر قال قال رسول اللّٰہ ﷺ :

((إن أحدکم إذا مات عرض علیہ مقعدہ بالغداۃ والعشي، إن کان من أھل الجنۃ فمن أھل الجنۃ و إن کان من أھل النار فمن أھل النار، فیقال : ھذا مقعدك حتی یبعثك اللّٰہ إلیہ یوم القیامۃ .)) متفق علیہ .

(سیدنا) عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی مرتا ہے تو اس کا ٹھکانا صبح و شام اسے دکھایا جاتا ہے، اگر وہ جنتیوں میں سے تھا تو جنتیوں کا اور اگر وہ دوزخیوں میں سے تھا تو دوزخیوں کا ٹھکانا دکھایا جاتا ہے، پھر کہا جاتا ہے: یہ تیرا ٹھکانا ہے حتی کہ اللہ تعالیٰ تجھے قیامت کے دن اٹھا کر یہاں لے جائے گا۔ متفق علیہ

(صحیح بخاری: ۱۳۷۹، صحیح مسلم: ۲۸۶۶/۶۵)

فقہ الحدیث: ① عذابِ قبر و ثوابِ قبر برحق ہے۔

② دونوں ٹھکانے دکھائے جانے میں مومن کے لئے رحمت و نعمت اور کافر و منافق کے لئے عذاب ہے۔ ③ جسم اگر فنا بھی ہو جائے لیکن روح فنا نہیں ہوتی۔

۱۲۸) وعن عائشۃ رضي اللّٰہ عنھا أن یھودیۃ دخلت علیھا فذکرت عذاب القبر فقالت لھا :أعاذك اللّٰہ من عذاب القبر، فسألت عائشۃ رسول اللّٰہ ﷺ عن عذاب القبر؟ فقال :((نعم عذاب القبر حق .))

قالت عائشۃ :فما رأیت رسول اللّٰہ ﷺ بعد صلی صلاۃ إلا تعوذ باللّٰہ من عذاب القبر . متفق علیہ .

(سیدہ) عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ان کے پاس ایک یہودی عورت آئی تو عذابِ قبر کا

ذکر کیا اور ان (عائشہ رضی اللہ عنہا) سے کہا: اللہ تجھے قبر کے عذاب سے بچائے۔ پھر عائشہ (رضی اللہ عنہا) نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عذابِ قبر کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا: جی ہاں! عذابِ قبر برحق ہے۔ عائشہ (رضی اللہ عنہا) نے کہا: پھر اس کے بعد میں نے یہی دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کوئی نماز پڑھتے تو قبر کے عذاب سے اللہ کی پناہ مانگتے۔

متفق علیہ (بخاری:۱۳۷۲، مسلم:۵۸۶/۱۲۵)

فقہ الحدیث: ① عذابِ قبر کا علم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی ہوا تھا۔

② رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عذابِ قبر سے پناہ مانگنا صرف امت کی تعلیم کے لئے ہے۔

③ حق بات جہاں سے بھی ملے اس پر عمل کرنا چاہئے۔

④ بعض اوقات کافروں اور گمراہوں کی بات بھی صحیح ہوتی ہے بشرطیکہ قرآن، حدیث، اجماع اور فہم سلف صالحین کے مطابق ہو۔

⑤ کافروں کے ساتھ تعلقات رکھنے میں کوئی حرج نہیں ہے بشرطیکہ ان تعلقات سے دینِ اسلام کو کوئی نقصان نہ ہو۔ ⑥ نماز میں عذابِ قبر سے اللہ کی پناہ مانگنا سنت ہے۔

⑦ اگر اللہ چاہے تو گناہ گار موحد مسلمانوں کو بھی عذابِ قبر ہو سکتا ہے۔ یہ بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس یہودی عورت کے مدینہ میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آنے کے بعد بذریعہ وحی بتائی گئی تھی، رہا کافروں پر عذابِ قبر تو اس کا ثبوت مکی آیات میں ہے۔

۱۲۹) وعن زيد بن ثابت قال : بينا رسول الله ﷺ في حائط لبني النجَّارِ على بغلة له و نحن معه إذا حادت به و كادت تلقيه . و إذا أقبر ستة أو خمسة فقال :((من يعرف أصحاب هذه الأقبر؟)) قال رجل :أنا. قال : ((فمتى ماتوا؟)) قال :في الشرك . فقال :((إن هذه الأمة تبتلى في قبورها فلو لا أن لا تدافنوا لدعوت الله أن يسمعكم من عذاب القبر الذي أسمع منه)) ثم أقبل بوجهه علينا فقال :((تعوَّذوا بالله من عذاب النار .)) قالوا : نعوذ بالله من عذاب النار . قال :((تعوذوا بالله من عذاب القبر .)) قالوا :

نعوذ باللّٰہ من عذاب القبر. قال :((تعوذوا باللّٰہ من الفتن ما ظھر منھا وما بطن .)) قالوا: نعوذ باللّٰہ من الفتن ما ظھر منھا وما بطن . قال :((تعوّذوا باللّٰہ من فتنۃ الدجال .)) قالوا: نعوذ باللّٰہ من فتنۃ الدجال . رواہ مسلم .

(سیدنا) زید بن ثابت (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دفعہ بنونجار (انصاریوں) کے ایک باغ میں اپنے خچر پر تشریف فرما تھے اور ہم آپ کے ساتھ تھے، اتنے میں خچر بدکا اور قریب تھا کہ وہ آپ کو گرا دے، کیا دیکھتے ہیں کہ وہاں پانچ چھ قبریں ہیں۔ آپ نے فرمایا: ان قبر والوں کو کون جانتا ہے؟ ایک آدمی نے کہا: میں، آپ نے پوچھا: یہ کب مرے تھے؟ اس نے جواب دیا: شرک (کے زمانے) میں۔ تو آپ نے فرمایا: اس امت کو قبروں میں آزمایا جاتا ہے اور اگر تم (مردے) دفن کرنا چھوڑ نہ دیتے تو میں اللہ سے دعا کرتا کہ تمھیں قبر کا عذاب سنا دے جسے میں سنتا ہوں۔ پھر آپ نے ہماری طرف چہرہ مبارک پھیر کر فرمایا: جہنم کے عذاب سے اللہ کی پناہ مانگو۔ صحابہ نے کہا: ہم جہنم کے عذاب سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: قبر کے عذاب سے اللہ کی پناہ مانگو۔ صحابہ نے کہا: قبر کے عذاب سے ہم اللہ کی پناہ چاہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: فتنے جو ظاہر ہوں اور جو چھپے ہوں، ان سے اللہ کی پناہ مانگو۔ صحابہ نے کہا: فتنے جو ظاہر ہیں اور جو چھپے ہوئے ہیں، ان سے ہم اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: دجال کے فتنے سے اللہ کی پناہ مانگو۔ صحابہ نے کہا: دجال کے فتنے سے ہم اللہ کی پناہ چاہتے ہیں۔ اسے مسلم (۶۷/ ۲۸۶۷) نے روایت کیا ہے۔

فقہ الحدیث:

① عذاب قبر اسی زمین پر ہوتا ہے جسے زمین پر قبر کے قریب والے جانور سنتے ہیں۔

② رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عالم الغیب نہیں ہیں بلکہ یہ صرف اللہ ہی کی صفتِ خاصہ ہے۔

③ اگر عام لوگوں کو عذابِ قبر کا نظارہ ہو جائے تو میت کو دفن کرنے سے جاہل مارے خوف کے دور بھاگیں گے اور اہلِ علم بھی عام لوگوں کے مُردوں سے دور رہیں گے۔

④ عذابِ قبر ایمان بالغیب میں سے ہے۔

حافظ زبیر علی زئی

توضیح الاحکام

قربانی کے تین دن ہیں

سوال: السلام علیکم ورحمۃ اللہ محترم حافظ صاحب میری، اللہ سے دُعا ہے کہ اللہ آپکو صحت و عافیت کے ساتھ لمبی عمر عطا فرمائے اور اللہ آپکے رسالے ''الحدیث'' کو دن دُگنی رات چوگنی ترقی عطا فرمائے۔ محترم الشیخ ''الحدیث'' کا ہر شمارہ علم و تحقیق کا شاہکار اور تحقیقی مضامین کا گہوارہ ہوتا ہے۔ محترم الشیخ آپ نے رسالے کی قیمت سالانہ ۲۰۰ روپے رکھی ہے اگر یہ ایک رسالہ مجھے ۲۰۰ روپے کا بھی ملے تو میں یہ رسالہ لینے کے لئے تیار ہوں۔ اللہ آپکی اس محنت کو قبول فرمائے (آمین) مگر افسوس! اتنا تحقیقی رسالہ ہمارے اہلِ حدیث بھائیوں تک نہیں پہنچتا اور وہ قرآن و حدیث پر مبنی اس رسالے سے ناواقف ہیں۔ اہلِ حدیث بھائیوں کے علاوہ پاکستان کے تمام اہلِ حدیث علماء کے پاس بھی یہ رسالہ نہیں پہنچ رہا صرف چند ایک علماء کے پاس یہ رسالہ پہنچتا ہے۔ میری آپ سے اور تمام اہلِ حدیث بھائیوں سے گزارش ہے کہ اس رسالے کو اکثر اہلِ حدیث علماء تک پہنچائیں اور اہلِ حدیث طلباء جو مدارس میں پڑھ رہے ہیں وہاں بھی یہ رسالہ پہنچنا چاہئے تاکہ نوجوان نسل کے اندر علم و تحقیق کی لہر دوڑے اور وہ اس رسالے کو پڑھ کر تحقیق کی طرف آئیں اور وہ اسماء الرجال کا علم حاصل کریں اور وہ مسلک اہلِ حدیث کی خوب خدمت کرسکیں۔

محترم الشیخ صاحب! میرے اس خط اور میرے مندرجہ ذیل سوال کو ماہنامہ ''الحدیث'' میں شائع کریں۔ سوال یہ ہے کہ کیا چوتھے دن قربانی کرنا قرآن و حدیث سے ثابت ہے؟ میں نے بعض علماء سے سنا ہے کہ چوتھے دن قربانی کرنے والی جو احادیث ہیں وہ ضعیف ہیں اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے صحیح سند کے ساتھ ثابت ہے کہ وہ فرماتے تھے کہ قربانی تین دن ہے۔ اس سلسلے میں ہفت روزہ اہلِ حدیث میں فضیلۃ الشیخ عبدالستار حماد حفظہ اللہ نے دلائل

سے ثابت کیا ہے کہ قربانی چار دن ہے ان کے دلائل درج ذیل ہیں:

فضیلۃ الشیخ نے لکھا ہے کہ '' قربانی، عید کے بعد تین دن تک کیجا سکتی ہے۔ عید دسویں (۱۰) ذوالحجہ کو ہوتی ہے، اس کے بعد تین دنوں کو ایامِ تشریق کہتے ہیں۔ ایامِ تشریق کو ذبح کے دن قرار دیا گیا ہے چنانچہ حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تمام ایامِ تشریق ذبح کے دن ہیں (مسند امام احمد ص ۸۲ ج ۴) اگرچہ اس روایت کے متعلق کہا جاتا ہے کہ منقطع ہے لیکن امام ابن حبان اور امام بیہقی نے اسے موصول بیان کیا ہے اور علامہ البانی رحمہ اللہ نے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔ (صحیح الجامع الصغیر: ۴۵۳۷)

بعض فقہاء نے عید کے بعد صرف دو دن تک قربانی کی اجازت دی ہے ان کی دلیل درج ذیل امر ہے:

قربانی یوم الاضحیٰ کے بعد دو دن تک ہے (بیہقی ص ۲۹۷ ج ۹) لیکن یہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ یا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اپنا قول ہے، اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مرفوع حدیث کے مقابلہ میں پیش نہیں کیا جا سکتا لہٰذا قابل حجت نہیں۔ علامہ شوکانی نے اس کے متعلق پانچ مذاہب ذکر کئے ہیں پھر اپنا فیصلہ بایں الفاظ لکھا ہے: '' تمام ایامِ تشریق ذبح کے دن ہیں اور وہ یوم النحر کے بعد تین دن ہیں۔'' (نیل الاوطار ص ۱۲۵ ج ۵)

واضح رہے پہلے دن قربانی کرنا زیادہ فضیلت کا باعث ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی پر عمل پیرا رہے ہیں لہٰذا بلا وجہ قربانی دیر سے نہ کی جائے اگرچہ بعض حضرات کا خیال ہے کہ غرباء مساکین کو فائدہ پہنچانے کیلئے تاخیر کرنا افضل ہے لیکن یہ محض ایک خیال ہے جس کی کوئی منقول دلیل نہیں ہے۔ نیز اگر کسی نے تیرہ (۱۳) ذوالحجہ کو قربانی کرنا ہو تو غروب آفتاب سے پہلے پہلے قربانی کردے کیونکہ غروب آفتاب کے بعد اگلا دن شروع ہو جاتا ہے۔

(ہفت روزہ اہلِ حدیث جلد ۳۸۔ ۷ تا ۱۳ ربیع الثانی ۱۴۲۸ھ ۲۷ اپریل تا ۳ مئی ۲۰۰۷ء)

یہ وہ دلائل ہیں جن کو حافظ عبدالستار حماد حفظہ اللہ نے بیان کیا ہے۔

محترم الشیخ صاحب مندرجہ بالا دلائل اور ان کے علاوہ چوتھے دن قربانی کے جتنے

دلائل ہیں ان کو بیان کریں اوران کی اسنادی حیثیت کو واضح کریں اوراس مسئلۂ قربانی کے بارے میں صحیح ترین تحقیق بیان فرمائیں، اللہ آپکو جزائے خیر عطا فرمائے۔ (آمین)

اس سوال کو الحدیث میں شائع کریں اوراس کا جواب تحریر فرما کر جوابی لفافے میں بھی ارسال فرمائیں۔ (خرم ارشاد محمدی۔ دولت نگر، گجرات ۲۹/ اپریل ۲۰۰۷ء)

الجواب: مسند احمد (۸۲/۴ ح ۱۶۷۵۲) والی روایت واقعی منقطع ہے۔

سلیمان بن موسیٰ نے سیدنا جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کو نہیں پایا۔ امام بیہقی نے اس روایت کے بارے میں فرمایا: "**مرسل**" یعنی منقطع ہے۔ (السنن الکبریٰ ج ۵ ص ۲۳۹، ج ۹ ص ۲۹۵)

امام ترمذی کی طرف منسوب کتاب العلل میں امام بخاری سے روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا: "**سليمان لم يدرك أحدًا من أصحاب النبي** صلی اللہ علیہ وسلم" سلیمان (بن موسیٰ) نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے کسی کو بھی نہیں پایا۔ (العلل الکبیر ۱/ ۳۱۳)

اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ کسی صحیح دلیل سے یہ ثابت نہیں ہے کہ سلیمان بن موسیٰ نے سیدنا جبیر رضی اللہ عنہ کو پایا ہے۔ آنے والی روایت (نمبر ۲) سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ سلیمان بن موسیٰ نے سیدنا جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے یہ روایت نہیں سنی۔

نیز دیکھئے نصب الرایہ (۶۱/۳)

روایت نمبر ۲: صحیح ابن حبان (الاحسان: ۳۸۴۳، دوسرا نسخہ: ۳۸۵۴) والکامل لابن عدی (۱۱۱۸/۳، دوسرا نسخہ ۲۶۰/۴) والسنن الکبریٰ للبیہقی (۲۹۵/۹، ۲۹۶) اور مسند البزار (کشف الاستار ۲/ ۲۷ ح ۱۱۲۶) وغیرہ میں "**سليمان بن موسى عن عبدالرحمن بن أبي حسين عن جبير بن مطعم**" کی سند سے مروی ہے کہ **((وفي كلّ أيام التشريق ذبح .))** اور سارے ایامِ تشریق میں ذبح ہے۔ یہ روایت دو وجہ سے ضعیف ہے:

① حافظ البزار نے کہا: "**وابن أبي حسين لم يلق جبير بن مطعم**" اور (عبدالرحمٰن) ابن ابی حسین کی جبیر بن مطعم سے ملاقات نہیں ہوئی۔

(البحر الزخار ۳۶۴/۸ ح ۳۴۴۴، نیز دیکھئے نصب الرایہ ج ۳ ص ۶۱ والتمہید نسخہ جدیدہ ۲۸۳/۱۰)

۲ عبدالرحمٰن بن ابی حسین کی توثیق ابن حبان (الثقات ۵/۱۰۹) کے علاوہ کسی اور سے ثابت نہیں ہے لہٰذا یہ راوی مجہول الحال ہے۔

روایت نمبر ۳: طبرانی (المعجم الکبیر ۲/۱۳۸ ح ۱۵۸۳) بزار (البحر الزخار ۸/۳۶۳ ح ۳۴۴۳) بیہقی (السنن الکبریٰ ۵/۲۳۹، ۹/۲۹۲) اور دارقطنی (السنن ۴/۲۸۴ ح ۴۷۱۱) وغیرہم نے ''**سويد بن عبدالعزيز عن سعيد بن عبدالعزيز التنوخي عن سليمان بن موسى عن نافع بن جبير بن مطعم عن أبيه**'' کی سند سے مرفوعاً نقل کیا کہ ((**أيام التشريق كلها ذبح**)) تمام ایامِ تشریق میں ذبح ہے۔

اس روایت کا بنیادی راوی سوید بن عبدالعزیز ضعیف ہے۔ (دیکھئے تقریب التہذیب: ۲۶۹۲)

حافظ ہیثمی نے کہا: ''**وضعفه جمهور الأئمة**''

اور اسے جمہور اماموں نے ضعیف کہا ہے۔ (مجمع الزوائد ۳/۱۴۷)

روایت نمبر ۴: ایک روایت میں آیا ہے کہ ''**عن سليمان بن موسى أن عمرو بن دينار حدثه عن جبير بن مطعم أن رسول الله ﷺ قال : كل أيام التشريق ذبح**''

(سنن الدارقطنی ۴/۲۸۴ ح ۴۷۱۳، والسنن الکبریٰ للبیہقی ۹/۲۹۶)

یہ روایت دو وجہ سے مردود ہے:

۱ اس کا راوی احمد بن عیسیٰ الخشاب سخت مجروح ہے۔
دیکھئے لسان المیزان (ج ۱ ص ۲۴۰، ۲۴۱)

۲ عمرو بن دینار کی جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے ملاقات ثابت نہیں ہے۔
دیکھئے الموسوعۃ الحدیثیۃ (ج ۲۷ ص ۳۱۷)

تنبیہ: ایک روایت میں ''**الوليد بن مسلم عن حفص بن غيلان عن سليمان بن موسى عن محمد بن المنكدر عن جبير بن مطعم**'' کی سند سے آیا ہے کہ ''**عرفات موقف وادفعوا من عرنة والمزدلفة موقف و ادفعوا عن محسر**''

(مسند الشامیین ۲/۳۸۹ ح ۱۵۵۶، ونصب الرایہ ۳/۶۱ مختصراً)

اس روایت کی سند ولید بن مسلم کی تدلیس کی وجہ سے ضعیف ہے اور اس میں ایامِ تشریق میں ذبح کا بھی ذکر نہیں ہے۔

خلاصۃ التحقیق: ایامِ تشریق میں ذبح والی روایت اپنی تمام سندوں کے ساتھ ضعیف ہے لہٰذا اسے صحیح یا حسن قرار دینا غلط ہے۔

آثارِ صحابہ: روایتِ مسئولہ کے ضعیف ہونے کے بعد آثارِ صحابہ کی تحقیق درج ذیل ہے:

① سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''**الأضحی یومان بعد یوم الأضحی**'' قربانی والے دن کے بعد (مزید) دو دن قربانی (ہوتی) ہے۔

(موطأ امام مالک ج ۲ ص ۴۸۷ ح ۱۰۷۱ و سندہ صحیح، السنن الکبریٰ للبیہقی ۹/ ۲۹۷)

② سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''**النحر یومان بعد یوم النحر و أفضلها یوم النحر**'' قربانی کے دن کے بعد دو دن قربانی ہے اور افضل قربانی نحر والے (پہلے) دن ہے۔ (احکام القرآن للطحاوی ۲/ ۲۰۵ ح ۱۵۷۱، وسندہ حسن)

③ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''**الأضحی یومان بعدہ**'' قربانی والے (اول) دن کے بعد دو دن قربانی ہوتی ہے۔ (احکام القرآن للطحاوی ۲/ ۲۰۶ ح ۱۵۷۶، وھو صحیح)

④ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''**النحر ثلاثۃ أیام**'' قربانی کے تین دن ہیں۔

(احکام القرآن للطحاوی ۲/ ۲۰۵ ح ۱۵۶۹، وھو حسن)

تنبیہ: احکام القرآن میں ''**حماد بن سلمۃ بن کھیل عن حجتہ عن علي**'' ہے جبکہ صحیح ''**حماد عن سلمۃ بن کھیل عن حجیۃ عن علي**'' ہے جیسا کہ کتبِ اسماء الرجال سے ظاہر ہے اور حماد سے مراد حماد بن سلمہ ہے۔ والحمد للہ

ان کے مقابلے میں چند آثار درج ذیل ہیں:

① حسن بصری نے کہا: عید الاضحیٰ کے دن کے بعد تین دن قربانی ہے۔

(احکام القرآن للطحاوی ۲/ ۲۰۶ ح ۱۵۷۷ و سندہ صحیح، السنن الکبریٰ للبیہقی ۹/ ۲۹۷ و سندہ صحیح)

② عطاء (بن ابی رباح) نے کہا: ایامِ تشریق کے آخر تک (قربانی ہے)

(احکام القرآن ۲/۲۰۶ ح ۸۷ ۱۵ وسندہ حسن، السنن الکبریٰ للبیہقی ۹/ ۲۹۶ وسندہ حسن)

③ عمر بن عبدالعزیز نے فرمایا: ''الأضحی یوم النحر و ثلاثة أیام بعده''

قربانی عید کے دن اور اس کے بعد تین دن ہے۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی ۹/ ۲۹۷ وسندہ حسن)

امام شافعی اور عام اہل حدیث علماء کا یہی فتویٰ ہے کہ قربانی کے چار دن ہیں۔ بعض علماء اس سلسلے میں سیدنا جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب روایت سے بھی استدلال کرتے ہیں لیکن یہ روایت ضعیف ہے جیسا کہ سابقہ صفحات پر تفصیلاً ثابت کر دیا گیا ہے۔

④ سیدنا ابو امامہ بن سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مسلمان اپنی قربانیاں خریدتے پھر انھیں (کھلا کھلا کر) موٹا کرتے پھر عید الاضحیٰ کے بعد آخری ذوالحجہ (تک) کو ذبح کرتے۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی ۹/ ۲۹۷، ۲۹۸ وسندہ صحیح) !!

ان سب آثار میں سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ وغیرہ کا قول راجح ہے کہ قربانی تین دن ہے: عید الاضحیٰ اور دو دن بعد۔

ابن حزم نے ابن ابی شیبہ سے نقل کیا ہے کہ ''نا زید بن الحباب عن معاویة بن صالح: حدثني أبو مریم: سمعت أبا هریرة یقول: الأضحی ثلاثة أیام''

یعنی سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ قربانی تین دن ہے۔ (المحلیٰ ج ۷ ص ۳۷۷ مسئلہ: ۹۸۲)

اس روایت کی سند حسن ہے لیکن مصنف ابن ابی شیبہ (مطبوع) میں یہ روایت نہیں ملی۔ واللہ اعلم

فائدہ:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتدا میں تین دن سے زیادہ قربانی کا گوشت رکھنے سے منع فرمایا تھا، بعد میں یہ حکم منسوخ ہو گیا۔ یہ ممانعت اس کی دلیل ہے کہ قربانی تین دن ہے والا قول ہی راجح ہے۔ اس ساری تحقیق کا خلاصہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے صراحتاً اس باب میں کچھ بھی ثابت نہیں ہے اور آثار میں اختلاف ہے لیکن سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور جمہور صحابہ کرام کا یہی قول ہے کہ قربانی کے تین دن (عید الاضحیٰ اور دو دن بعد) ہیں، ہماری تحقیق میں یہی راجح ہے اور امام مالک وغیرہ نے بھی اسے ہی ترجیح دی ہے۔ واللہ اعلم (۲/ مئی ۲۰۰۷ء)

محمد صدیق رضا

اُمتِ مصطفیٰ ﷺ اور شرک

قرآن مجید اور امتِ مصطفیٰ ﷺ کا شرک:

پہلے ہم قرآن مجید سے چند دلائل اس بات کے ثبوت میں پیش کریں گے جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ایمان کا اقرار کرنے والا اور رسول اللہ ﷺ کا امتی بھی شرک میں مبتلا ہو سکتا ہے اور یہ ناممکن نہیں ہے۔

پہلی دلیل: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ وَلَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَاِنَّهٗ لَفِسْقٌ ؕ وَ اِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰٓى اَوْلِيٰٓـئِهِمْ لِيُجَادِلُوْكُمْ ۚ وَاِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ ﴾ اور اس میں سے نہ کھاؤ جس پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو اور یہ کھانا گناہ ہے اور یقیناً شیاطین اپنے دوستوں کے دل میں ڈالتے ہیں کہ وہ تم سے جدال (بحث و جھگڑا) کریں اور اگر تم نے ان کی اطاعت کی تو یقیناً تم مشرک ہو جاؤ گے۔ (الانعام:۱۲۱)

فریقِ ثانی کے معروف مفسر مولوی نعیم الدین مراد آبادی صاحب نے اس آیت کے حاشیہ میں لکھا ہے: ''کیونکہ دین میں حکمِ الٰہی کو چھوڑنا اور دوسرے کے حکم کو ماننا اللہ کے سوا اور کو حاکم قرار دینا شرک ہے۔'' (خزائن العرفان ص ۲۳۱)

اور فریقِ ثانی کے پیر محمد کرم شاہ الازہری صاحب نے لکھا ہے کہ

''اس آیت سے معلوم ہوا کہ جو شخص اللہ کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حلال یقین کرتا ہے وہ ''مشرک'' ہو جاتا ہے، **فدلت الآية على ان من استحل شيئاً مما حرم الله تعالىٰ صار به مشركاً** (قرطبی) '' (ضیاء القرآن ج ۱ ص ۵۹۷، حاشیہ نمبر ۱۵۳)

اس آیتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کو مخاطب فرمایا اور انھیں ایسا کھانا کھانے سے منع فرمایا جس پر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا نام نہ لیا گیا ہو یا اللہ کے ساتھ کسی اور کا بھی

نام لیا گیا ہو اور یہ بھی فرمایا کہ شیطان کے ساتھی تم سے بحث و مباحثہ اور جھگڑا کریں گے، ان کی پوری کوشش ہوگی کہ تمھیں ایسا حرام کھانا کھلا دیں۔ تو فرمایا اگر تم نے ان کی بات مان لی ایسا کھانا کھالیا تو تم بھی ''مشرک'' ہو جاؤ گے۔

یہاں صرف ان کی بات ماننے سے ہی قرآن مجید سے ''مشرک'' ہو جانا ثابت ہوتا ہے۔ نہ معبود و مسجود ماننے کی شرط ہے نہ ہی ازلی، ابدی، قدیمی، ذاتی لامحدود وغیرہ کی۔ اب بھی غیر مسلم اور بہت سے علم نہ رکھنے والے مسلمان غیر اللہ کے نام کا کھانا کھاتے کھلاتے ہیں اور نہ کھانے والوں کے ساتھ اصرار و حجت بازی بھی کرتے ہیں تو جو ان کی بات مانے گا وہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے فرمان کے مطابق یقیناً ''مشرک'' ہے۔

اس آیت میں انھی لوگوں سے یہ خطاب ہے جو ایمان والے ہیں اور محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے والے آپ کے امتی ہیں۔ اگر امت کا شرک میں مبتلا ہونا ناممکن ہوتا جیسا کہ بعض لوگوں کا خیال ہے تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ یہ کیوں فرماتا کہ ﴿ اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ ﴾ اس صورت میں تم مشرک ہو جاؤ گے، اسلوبِ بیان بھی تاکیدی ہے۔ اس آیتِ مبارکہ سے یہ واضح ہوتا ہے کہ ایسے لوگوں کا یہ خیال وزعم درست نہیں بلکہ سراسر باطل و غلط ہے۔ اللہ تعالیٰ انھیں سمجھنے کی توفیق دے اور شیطان کے اس جھانسے سے نکالے۔ (آمین)

دوسری دلیل: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَاُحِلَّتْ لَكُمُ الْاَنْعَامُ اِلَّا مَا یُتْلٰی عَلَیْكُمْ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ ٥ حُنَفَآءَ لِلّٰهِ غَیْرَ مُشْرِكِیْنَ بِهٖ ؕ وَمَنْ یُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّیْرُ اَوْ تَهْوِیْ بِهِ الرِّیْحُ فِیْ مَكَانٍ سَحِیْقٍ﴾ اور تمھارے لئے چوپائے جانور حلال کئے گئے سوائے ان کے (جن کی حرمت) تمھارے سامنے پڑھ دی گئی، اوثان کی نجاست سے بچتے رہو اور بچو جھوٹی بات سے، اللہ کی توحید کو مانتے ہوئے یکسو ہو کر اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراتے ہوئے اور جس کسی نے اللہ کے ساتھ شرک کیا تو گویا وہ آسمان سے گر پڑا پس اچک لیا اس کو کسی پرندے نے یا اسے ہوا نے کسی دور دراز مقام پر پھینک دیا ہو۔ (الحج: ۳۰-۳۱)

ان آیاتِ مبارکہ میں بھی اہلِ ایمان سے خطاب ہے، انھیں بتلایا گیا ہے کہ تم پر کیا حلال ہے اور کیا حرام؟ پھر انھیں جھوٹ اور اَوثان کی نجاست سے بچتے رہنے کا حکم دیا۔ اوثان وثن کی جمع ہے اس سے مراد ہر وہ چیز ہے جس کی اللہ کے سوا عبادت کی جائے خواہ وہ حجر و شجر ہو یا قبر ہو۔ جھوٹی بات سے بھی بچتے رہنے کا حکم دیا نیز فرمایا: ہر طرف سے اپنے رخ کو پھیر کر یکسوئی کے ساتھ اللہ کی طرف مائل ہوں۔

﴿غَیْرَ مُشْرِکِیْنَ بِہٖ ط﴾ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراتے ہوئے۔

ایمان والوں کو اس بات کا حکم دینا کہ شرک سے بچتے ہوئے اللہ کی طرف مائل ہوں سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ بندہ ایمان لانے کے بعد بھی شرک میں مبتلا ہو سکتا ہے۔ اگر ایمان لانے کے بعد بندہ شرک کے خطرے سے یکسر محفوظ ہو جاتا تو پھر یہ کہنے کی کیا ضرورت ہے کہ ''شریک نہ ٹھہراتے ہوئے'' زندگی گزاریں اور جو کوئی شرک کی نجاست میں مبتلا ہو جائے، اس کے لئے آسمان سے گرنے کی مثال دی۔ اگر وہ آسمان سے گرے تو یا اُسے پرندے اچک لیں یا ہوا دور دراز مقام پر اسے پھینک دے گی اور اس کی ہڈیاں چکنا چور ہو جائیں گی اور وہ یقینی طور پر ہلاک ہو جائے گا۔ اسی طرح مشرک بھی آخرت میں ہلاکت و بربادی کے گڑھے میں جا گرے گا۔

تیسری دلیل: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿مُنِیْبِیْنَ اِلَیْہِ وَاتَّقُوْہُ وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَلَا تَکُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ﴾ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے ہوئے اسی سے ڈرتے رہو اور نماز قائم کرو اور مشرکین میں سے نہ ہو جاؤ۔ (الروم:۳۱)

اس آیت میں بھی ایمان والوں سے خطاب ہے انھیں انابت الی اللہ، تقویٰ اور اقامت صلاۃ کا حکم دیا گیا اور ''مشرک'' بننے سے منع کیا گیا ہے۔ اگر ایمان قبول کر لینے کے بعد شرک کا صدور ناممکن ہوتا اور ایمان والا شرک کے خطرے سے محفوظ ہو جاتا تو یہ حکم کیا معنی رکھتا ہے کہ ''مشرک مت بنو''؟

چونکہ ایمان لانے کے بعد بھی بندہ شیطان کی چالوں میں پھنس کر شرک میں مبتلا ہو

سکتا ہے۔ اسی لئے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو ہوشیار کیا کہ '' مشرک مت بننا'' لہٰذا یہ سمجھنا کہ ایمان لانے کے بعد کوئی شخص مشرک نہیں ہو سکتا سراسر باطل ہے۔

چوتھی دلیل: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ یٰۤاَیُّھَا النَّبِیُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ یُبَایِعْنَكَ عَلٰۤی اَنْ لَّا یُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَیْـًٔا وَّلَا یَسْرِقْنَ وَلَا یَزْنِیْنَ وَلَا یَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ وَلَا یَاْتِیْنَ بِبُهْتَانٍ یَّفْتَرِیْنَهٗ بَیْنَ اَیْدِیْهِنَّ وَاَرْجُلِهِنَّ وَلَا یَعْصِیْنَكَ فِیْ مَعْرُوْفٍ فَبَایِعْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴾

اے نبی (ﷺ)! جو مومنہ عورتیں آپ سے اس بات پر بیعت کرنے آئیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گی اور چوری نہ کریں گی اور نہ بدکاری کریں گی اور نہ اپنی اولاد کو قتل کریں گی اور نہ اپنی طرف سے کوئی بہتان گھڑلائیں گی اور نہ معروف میں آپ کی نافرمانی کریں گی تو آپ اُن سے بیعت لے لیا کریں اور ان کے لئے اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کریں، یقیناً اللہ بخشنے اور معاف کرنے والا اور بہت زیادہ رحم کرنے والا ہے۔

(الممتحنہ:۱۲)

اس آیتِ مبارکہ میں جہاں ان سے دیگر کبیرہ گناہوں سے دور رہنے کی بیعت لی گئی وہاں اس بات پر بھی بیعت لینے کا ذکر ہے کہ وہ ''اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک نہیں کریں گی۔'' قرآن مجید نے انھیں ''المؤمنات'' قرار دیا اور پھر شرک نہ کرنے پر بیعت لینے کا حکم یہی ثابت کرتا ہے کہ ایمان والوں سے جس طرح دیگر کبیرہ گناہوں کا ارتکاب ممکن ہے، اسی طرح یہ بات بھی ممکن ہے کہ وہ ''شرک'' میں مبتلا ہو جائیں۔ **أعاذنا اللہ منه**

پانچویں دلیل: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ ؕ وَمَنْ یُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِیْدًا ﴾

بے شک اللہ تعالیٰ اس بات کو نہیں بخشتا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اس کے علاوہ جس

گناہ کو جس کے لئے چاہے بخش دے پس جو کوئی اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرائے وہ بڑی دور کی گمراہی میں جا پڑا۔ (النساء:١١٦)

اس آیتِ مبارکہ میں اللہ نے اپنا قانون واضح فرمایا ہے کہ وہ اپنے ساتھ ''شرک'' کیئے جانے کو معاف نہیں فرماتا۔ قرآن وسنت کے دیگر دلائل سے یہ واضح ہے کہ یہ حکم اس صورت میں ہے کہ جب کوئی ''شرک'' کی حالت میں ہی توبہ کیئے بغیر مر جائے تو اس کے لئے کوئی معافی نہیں ورنہ جو لوگ اپنی زندگی میں ہی توحید کا شعور حاصل کر لیں، اس پر ایمان لے آئیں اور اس پر ثابت قدم رہیں اور شرک سے توبہ کر لیں تو اللہ رب العالمین ان پر اپنا فضل وکرم فرما کر انھیں معاف کر دے گا۔

اب غور طلب مسئلہ یہ ہے کہ اس آیتِ مبارکہ میں ''شرک'' کے علاوہ دیگر تمام گناہوں کی بخشش ومغفرت اللہ کی مرضی ومنشاء پر ممکن بتلائی گئی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو کسی بھی شخص کے شرک کے علاوہ دیگر صغیرہ کبیرہ گناہوں کو معاف فرما دے۔ لیکن کیا بخشش ومغفرت کی یہ نوید ہر شخص کے لئے ہے اور عام ہے؟ وہ لوگ جو نبی کریم ﷺ کی بعثت کے بعد آپ ﷺ کی دعوتِ حق قبول نہ کر کے اُمتِ مصطفیٰ ﷺ میں شامل نہیں ہوئے یا آپ کی دعوت قبول کرنے سے انکار کر دیا تو کیا وہ بھی اس بخشش ومغفرت کے حقدار ہو سکتے ہیں؟ کیا یہ اعلان ان کے لئے بھی ہے؟ کیا وہ بھی اس حکم میں شامل ہیں؟

تو اس سلسلہ میں عرض ہے کہ الحمدللہ اہلِ اسلام اس سلسلے میں دو رائے کا شکار نہیں بلکہ قرآن وسنت پر ایمان رکھنے والے تمام اہلِ اسلام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ نبی کریم ﷺ کی بعثت کے بعد جن لوگوں نے آپ ﷺ کی دعوتِ حق کو قبول نہیں کیا آپ کی اُمت میں شامل نہیں ہوئے وہ جنت میں داخل نہیں ہوں گے، بلکہ وہ جہنمی ہیں۔ آپ ﷺ پر ایمان لانا آپ کی رسالت کا دل سے اقرار دخولِ جنت کے لئے لازمی شرط ہے اور قرآن مجید میں بہت سے مقامات پر آپ ﷺ پر ایمان اور اس کے اقرار کی اہمیت کو واضح کیا گیا ہے۔ اسی طرح احادیث میں بھی صراحتاً اس بات کا ذکر موجود ہے بطورِ مثال

صرف ایک حدیث ہم پیش کئے دیتے ہیں۔سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:((وَالَّذِيْ نَفْسُ محمد صلی اللہ علیہ وسلم بيده ! لا يسمع بي أحد من هذه الأمة يهودي ولا نصراني ثم يموت ولم يؤمن بالذي أرسلت به إلا كان من أصحاب النار))

اس ذات کی قسم! جس کے (مبارک) ہاتھ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان ہے، اس امت میں سے جوکوئی یہودی اور نصرانی میرے متعلق سن لے پھر وہ اس دین پر ایمان لائے بغیر مر جائے تو وہ شخص جہنمی ہوگا۔ (صحیح مسلم :۱۵۳، دارالسلام:۳۸۶)

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہودی اور عیسائی تو ویسے ہی حق کے انکار کی وجہ سے جنت سے محروم اور جہنم کے حقدار ہو چکے ہیں۔اب اگر وہ شرک سے بچ بھی جائیں تو انکارِ رسالت کا جرم کوئی معمولی یا قابلِ معافی جرم نہیں ہے۔

اس اعتبار سے غور کریں تو معلوم ہوگا کہ شرک کے علاوہ دیگر گناہوں کی بخشش کا مژدہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے لئے ہے۔تو واضح ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اُمتی بھی شرک کرسکتا ہے، اگر وہ شرک سے بچا رہے تو دیگر کبیرہ یا صغیرہ گناہ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ معاف فرمادے۔

الغرض کہ اس آیت سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی بھی شرک میں مبتلا ہوسکتا ہے۔بعض لوگوں کا یہ خیال و زعم قطعاً صحیح نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی مشرک نہیں ہوسکتا۔قرآن مجید کی آیات ان کے اسی نظریئے کو باطل ثابت کرتی ہیں۔

چھٹی دلیل: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:﴿وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ﴾

ان میں سے اکثر لوگ اللہ پر ایمان رکھنے کے باوجود مشرک ہی ہیں۔(یوسف:۱۰۶)

اس آیت سے پتا چلتا ہے کہ اکثر لوگ اللہ پر ایمان لانے کے باوجود مشرک ہیں جیسا کہ گزشتہ صفحات میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ مشرکین اس بات کے قائل تھے کہ زمین وآسمان اوراس میں جو کچھ بھی ہے ان سب کا خالق اللہ تعالیٰ ہی ہے، اس پر پوری ملکیت اختیار و اقتدار اللہ ہی کے لئے ہے حتیٰ کہ ان کے معبودوں کے اختیارات بھی اللہ ہی کے عطا کردہ ہیں۔

لیکن اس کے باوجود بھی وہ ان کی عبادت کرتے ،ان سے دعائیں مانگتے ،فریاد کرتے ،ان کے نام پر قربانیاں دیتے ،نذرانے چڑھاتے ،انھیں اپنا مشکل کشا،حاجت روا سمجھتے اور آج بھی کتنے ہی لوگ ایمان لانے کے باوجود اس ظلم کا شکار ہیں اور ساتھ ہی بعض مولوی انھیں یہ یقین دلائے ہوئے ہیں کہ ایمان لانے کے بعد نبی ﷺ کا امتی مشرک نہیں ہوسکتا،شرک سے بالکل محفوظ رہتا ہے۔بس یہ سب کچھ کئے جاؤ لیکن اللہ تعالیٰ واضح فرما چکا ہے کہ اکثر لوگ اللہ پر ایمان لانے کے باوجود مشرک ہیں لہٰذا ایمان لانے کے بعد بھی شرک کا صدور ممکن ہے۔

ساتویں دلیل: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿فَاَیُّ الْفَرِیْقَیْنِ اَحَقُّ بِالْاَمْنِ ۚ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یَلْبِسُوْۤا اِیْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ﴾

پس فریقین میں سے کون امن کا زیادہ حقدار ہے (موحد یا مشرک) اگر تم جانتے ہو؟ جو لوگ ایمان لائے اور اپنے ایمان کو ظلم (شرک) کے ساتھ نہیں ملایا، ایسے ہی لوگوں کے لئے امن ہے اور یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔ (الانعام:۸۱،۸۲)

اس آیتِ مبارکہ میں یہ بتلایا گیا ہے کہ وہ فریق یا گروہ دنیا و آخرت میں امن کا زیادہ حقدار ہے جو اپنے ایمان میں ظلم کی آمیزش نہ کرے،اس آیت میں ''ظلم'' سے کیا مراد ہے؟

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت ﴿اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یَلْبِسُوْۤا اِیْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ﴾ نازل ہوئی تو یہ بات اہلِ اسلام پر بڑی ہی گراں گزری وہ بہت ہی پریشان ہوئے (کہ کون ایسا ہوگا جس نے ایمان لانے کے بعد ظلم نہ کیا ہو تو کیا ہمارے لئے امن نہیں یا ہم ہدایت یافتہ نہیں؟) رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! ہم میں سے کون ایسا ہوگا جس نے اپنی جان پر ظلم نہ کیا ہو؟ تو رسول اللہ ﷺ نے سمجھایا کہ

((لیس ذلك إنما هو الشرك ألم تسمعوا ما قال لقمان لإبنه وهو یعظه یا

بني لا تشرك بالله إن الشرك لظلم عظيم)) اس سے مراد (عام) ظلم نہیں، اس سے مراد تو ''شرک'' ہے۔ کیا تم لوگوں نے یہ نہیں سنا کہ جب لقمان اپنے بیٹے کو نصیحت کر رہے تھے تو فرمایا: ''اے میرے پیارے بیٹے! اللہ کے ساتھ شرک نہ کرنا یقیناً شرک بہت بڑا ظلم ہے۔ (صحیح بخاری: ۳۴۲۸)

معلم کتاب وحکمت اولین مفسر قرآن سید عالم ﷺ کی اس وضاحت کے بعد اس آیت کا مفہوم کچھ اس طرح واضح ہوتا ہے کہ ''جو لوگ ایمان لائے اور ایمان لانے کے بعد اپنے ایمان میں شرک کی آمیزش نہیں کی تو وہ لوگ دنیا و آخرت میں امن ونجات کے حقدار ہوں گے اور وہی ہدایت یافتہ ہیں۔

آیتِ بالا اور رسول اللہ ﷺ کی تفسیر سے یہ واضح ہوتا ہے کہ بعض لوگ ایمان لانے کے بعد بھی شرک میں مبتلا ہو سکتے ہیں۔ اگر رسول اللہ ﷺ کی امت میں شرک کا خطرہ نہ ہوتا جیسا کہ بہت سے لوگوں کا باطل زعم ہے تو پھر یہ آیت کیا معنی رکھتی ہے؟ الغرض! قرآن مجید کی مذکورہ بالا تمام آیات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ امتِ مسلمہ میں بھی شرک کا خطرہ موجود ہے۔ وہ بھی شرک میں مبتلا ہو سکتے ہیں جیسا کہ گزشتہ امتیں شرک میں مبتلا ہوئی تھیں۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ تمام اہلِ ایمان کو اپنی ذات وصفات میں شرک سے بچائے اور توحید پر ثابت قدم رکھے۔ (آمین)

اس سلسلے میں احادیث بھی بکثرت مروی ہیں لیکن مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے فریق ثانی کے دلائل کا جائزہ لیا جائے کہ وہ کس بنیاد پر اس عقیدے کی عمارت کھڑی کئے ہوئے ہیں کہ ''رسول اللہ ﷺ کا امتی مشرک نہیں ہو سکتا۔''

ہماری ناقص معلومات کے مطابق یہ حضرات اس سلسلے میں قرآن مجید کی کوئی آیت پیش نہیں کرتے۔ البتہ احادیث میں سے ایک آدھ حدیث بیان کر کے غلط مفہوم پیش کرتے ہیں۔ اگرچہ حدیث سے بھی ان کا یہ عقیدہ ثابت نہیں ہوتا۔ اس کے علاوہ ان کا حدیث پیش کرنا بھی اپنے اصول کے خلاف ہے۔ [باقی آئندہ شمارے میں، ان شاء اللہ]

حافظ زبیر علی زئی

محمد بن عثمان بن ابی شیبہ: ایک مظلوم محدّث

الحمد للّٰہ رب العالمین و الصلوٰۃ و السلام علیٰ رسولہ الأمین :أما بعد

اس مختصر اور جامع مضمون میں محدث ابو جعفر محمد بن عثمان بن ابی شیبہ العبسی الکوفی البغدادی رحمہ اللہ کا تذکرہ پیشِ خدمت ہے اور یہ ثابت کیا گیا ہے کہ وہ جمہور محدثین کے نزدیک ثقہ وصدوق یعنی حسن الحدیث راوی ہیں۔ والحمدللہ

اساتذہ: محمد بن عثمان العبسی نے جن اساتذہ سے علمِ حدیث لیا ہے ان میں سے بعض کے نام درج ذیل ہیں:

عثمان بن ابی شیبہ، ابوبکر بن ابی شیبہ، قاسم بن ابی شیبہ، احمد بن یونس، یحییٰ بن معین، علی بن المدینی اور منجاب بن الحارث وغیرہم۔

تلامذہ: محمد بن عثمان کے بعض تلامذہ کے نام درج ذیل ہیں:

محمد بن محمد الباغندی (صاحبِ مسند عمر بن عبدالعزیز)، یحییٰ بن محمد بن صاعد، قاضی حسین بن اسماعیل المحاملی، محمد بن مخلد، ابوعمرو بن السماک، ابوبکر بن النجاد، اسماعیل بن علی الخطبی، جعفر بن محمد بن نصر الخلدی، عقیلی، اسماعیلی، طبرانی اور محمد بن احمد بن الحسن الصواف وغیرہم۔

تصانیف: محمد بن عثمان بن ابی شیبہ کی چند تصانیف درج ذیل ہیں:

سوالات علی بن المدینی (مطبوع)، کتاب العرش (مطبوع) المسائل (مطبوع / راقم الحروف نے بھی اس کتاب کے مخطوطے کی تحقیق وتخریج کی ہے لیکن تا حال غیر مطبوع ہے۔)

کتاب التاریخ (غیر مطبوع) وغیرہ

جرح: محمد بن عثمان پر اسماء الرجال کی کتابوں میں درج ذیل جرح ملتی ہے:

۱: محمد بن عبداللہ الحضرمی مطین (رحمہ اللہ) ان کے بارے میں بُری رائے رکھتے تھے اور

کہتے تھے: وہ موسیٰ (علیہ السلام) کی لاٹھی ہے جو ہر چیز کو کھا جاتی ہے۔ (الکامل لابن عدی ۲۲۹۷/۶)
ابن عدی نے اس جرح کے بارے میں کہا کہ ''وابتلي مطين بالبلدية لأنهما كوفيان جميعًا'' اور مطین علاقائی تعصب کا شکار ہوئے کیونکہ یہ دونوں (ایک ہی علاقے) کوفے کے رہنے والے تھے۔ (الکامل ص ۲۲۹۷)
معلوم ہوا کہ محمد بن عبداللہ الحضرمی کی یہ جرح دو وجہ سے مردود ہے:
اول: یہ جرح تعصب پر مبنی ہے۔
دوم: یہ جرح جمہور محدثین کی توثیق کے خلاف ہے۔
☆ ابونعیم الاصبہانی نے محمد بن عثمان بن ابی شیبہ کی سند سے ایک حدیث بیان کر کے کہا: ''يقال تفرد به محمد بن عثمان موصولاً مجوّدًا'' کہا جاتا ہے کہ اس روایت کے ساتھ محمد بن عثمان منفرد ہیں جنھوں نے اسے بہترین سند سے متصل بیان کیا ہے۔

(تاریخ بغداد ۴۲/۳ ت ۹۷۹)

یہ کلام کئی وجہ سے قابلِ التفات نہیں ہے:
اول: ثقہ وصدوق راوی کا تفرد مضر نہیں ہوتا۔
دوم: یہ جرح نہیں ہے۔
سوم: یہی روایت اسی متن کے ساتھ صحیح مسلم (۱۵۲۳) والمجتبیٰ للنسائی (۲۵۲/۷ ح ۴۴۹۸) میں یونس بن عبید اور صحیح بخاری (۱۲۶۱) میں معاذ بن معاذ كلاهما عن محمد بن سيرين عن أنس بن مالك رضي الله عنه کی سند سے موجود ہے۔
انس بن سیرین اور محمد بن سیرین دونوں ثقہ بھائی ہیں۔
چہارم: یقال کا فاعل نامعلوم ہے۔
☆ ابونعیم عبدالملک بن محمد بن عدی الجرجانی کی طرف منسوب ایک طویل کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ محمد بن عبداللہ بن سلیمان الحضرمی (مطین) اور محمد بن عثمان بن ابی شیبہ دونوں کے درمیان دشمنی تھی اور دونوں ایک دوسرے پر جرح کرتے تھے.... پھر مجھ پر یہ بات ظاہر ہوئی

کہ ان دونوں کی ایک دوسرے پر جرح کو قبول نہیں کرنا چاہئے اور میں نے دیکھا کہ موسیٰ بن اسحاق الانصاری مطین کی طرف مائل تھے اور اُن کی تعریف کرتے تھے لیکن محمد بن عثمان پر طعن نہیں کرتے تھے۔ (تاریخ بغداد ۳/۴۳۔۴۵)

اس روایت کا ابونعیم الجرجانی سے راوی محمد بن عمران الطلقی (الجرجانی) غیر موثق، مجہول الحال ہے لہٰذا یہ روایت ثابت ہی نہیں ہے اور اگر ثابت ہوتی تو محمد بن عثمان کی توثیق پر مبنی ہوتی کیونکہ تعصب والی جرح مردود ہوتی ہے۔

☆ ابوالعباس احمد بن محمد بن سعید بن عقدہ (الرافضی) نے درج ذیل محدثین وغیرہم سے نقل کیا کہ محمد بن عثمان بن ابی شیبہ کذاب ہے۔ ونحوالمعنیٰ:

(۱) عبداللہ بن اسامہ الکلبی (۲) ابراہیم بن اسحاق الصواف (۳) داود بن یحییٰ

(۴) عبدالرحمٰن بن یوسف بن خراش [الرافضی] (۵) محمد بن عبداللہ الحضرمی

(۶) عبداللہ بن احمد بن حنبل (۷) جعفر بن محمد بن ابی عثمان الطیالسی

(۸) عبداللہ بن ابراہیم بن قتیبہ (۹) محمد بن احمد العدوی (۱۰) اور جعفر بن ہذیل

(دیکھئے تاریخ بغداد ۳/۴۵، ۴۶)

یہ ساری جرح ان محدثین وغیر محدثین سے ثابت نہ ہونے کی وجہ سے مردود ہے۔

ابن عقدہ (رافضی) کا مختصر تذکرہ: اس ساری جرح کا راوی صرف ابن عقدہ رافضی ہے جس کی امام دارقطنی سمیت بعض اہلِ علم نے تعریف کی ہے لیکن توثیق کسی ایک سے بھی ثابت نہیں۔

ایک روایت میں آیا ہے کہ امام دارقطنی نے ابن عقدہ کے بارے میں فرمایا:

''کان رجل سوء'' وہ گندا آدمی تھا، آپ اس کے رافضی ہونے کی طرف اشارہ کرتے تھے۔

(دیکھئے تاریخ بغداد ۵/۲۲ ولسان المیزان ۱/۲۶۴ ت ۸۱۷)

برقانی نے امام دارقطنی سے ابن عقدہ کے بارے میں پوچھا: آپ کے دل میں اس کے بارے میں سب سے بڑی کیا بات ہے؟ انھوں نے فرمایا: منکر روایتیں کثرت سے بیان

کرتا ہے۔ (تاریخ بغداد ۵/۲۲ وسندہ صحیح)

حمزہ بن یوسف السہمی نے فرمایا: ''**سمعت أبا عمر بن حيويه يقول : كان أحمد بن محمد بن سعيد بن عقدة في جامع براثا يملي مثالب أصحاب رسول الله** ﷺ **أو قال :الشيخين يعني أبا بكر و عمر ، فتركت حديثه ولا أحدث عنه بعد ذلك شيئاً**''

میں نے ابو عمر (محمد بن العباس بن محمد بن زکریا البغدادی الخزاز) ابن حیویہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ احمد بن محمد بن سعید بن عقدہ جامع براثا (بغداد) میں رسول اللہ ﷺ کے صحابہ یا (سیدنا) ابوبکر اور (سیدنا) عمر (رضی اللہ عنہما) کی بُرائیاں اور سب وشتم لکھواتا تھا، میں نے جب یہ دیکھا تو اس کی حدیث کو ترک کر دیا اور اس کے بعد میں اس سے کوئی چیز بھی روایت نہیں کرتا ہوں۔ (سؤالات حمزہ السہمی: ۱۶۶ وسندہ صحیح)

حافظ ابن عدی الجرجانی نے کہا: ''**وسمعت ابن مكرم يقول : كان ابن عقدة معنا عند ابن لعثمان بن سعيد المري بالكوفة في بيت ، ووضع بين أيدينا كتباً كثيرة ، فنزع ابن عقدة سراويله وملاءه من كتب الشيخ سراً منه و منا فلما خرجنا قلنا له :ما هذا الذي معك ، لم حملته ؟ فقال :دعونا من ورعكم هذا .**''

اور میں نے (محمد بن الحسین) بن مکرم (البغدادی نزیل البصرہ) کو کہتے ہوئے سنا کہ ابن عقدہ ہمارے ساتھ کوفہ میں عثمان بن سعید المری کے بیٹے کے گھر میں تھا۔ عثمان بن سعید کے بیٹے نے ہمارے سامنے (اپنے باپ کی) بہت سی کتابیں رکھیں تو ابن عقدہ نے اپنی شلوار کھینچ کر اسے ہم سے اور اس لڑکے سے خفیہ طور پر شیخ (عثمان بن سعید المری) کی کتابوں سے بھر لیا۔ پھر جب ہم باہر نکلے تو ہم نے (کتابیں دیکھ کر) ابن عقدہ سے کہا: تیرے پاس یہ کیا ہے؟ تُو یہ کتابیں کیوں اُٹھا لایا ہے؟ تو اس نے (پوری بے حیائی سے) جواب دیا: مجھے چھوڑو، اپنی پرہیزگاری اپنے پاس ہی رکھو۔ (الکامل فی الضعفاء ۱/۲۰۹ وسندہ صحیح)

اس صحیح روایت اور سچی گواہی سے معلوم ہوا کہ ابن عقدہ چور تھا جو لوگوں کے گھروں سے

کتابیں چُرا لاتا تھا اور اس کبیرہ گناہ پر وہ ذرا بھی شرمندہ نہیں ہوتا تھا لہٰذا ابن عقدہ ساقط العدالت ہے۔ امام دارقطنی کا اس کی طرف سے دفاع کرنا یا تو منسوخ ہے یا پھر اس جرح مفسر کے مقابلے میں مردود ہے۔

حمزہ بن یوسف السہمی فرماتے ہیں: ''**سألت أبا بكر بن عبدان عن ابن عقدة إذا حكى حكاية عن غيره من الشيوخ في الجرح ، هل يقبل قوله ؟ قال :لا يقبل**'' میں نے ابوبکر (احمد) بن عبدان (الحافظ) سے پوچھا کہ اگر ابن عقدہ اپنے استادوں سے جرح والی کوئی حکایت بیان کرے تو یہ حکایت قبول کی جائے گی؟ انھوں نے فرمایا: قبول نہیں کی جائے گی۔ (تاریخ بغداد ۲۳/۷ وسندہ صحیح، سوالات حمزہ السہمی: ۱۶۶)

خطیب بغدادی نے کہا: ''**وفي الجرح بما يحكيه أبو العباس بن سعيد نظر**'' اور ابوالعباس بن سعید (ابن عقدہ رافضی) جرح کی جو حکایت نقل کرتا ہے اُس میں نظر ہے۔

(تاریخ بغداد ۲۳/۷)

اس سے معلوم ہوا کہ ابن عقدہ رافضی کی نقل کردہ یہ ساری جروح باطل اور مردود ہیں۔ عصر حاضر میں اسماء الرجال کے ماہر اور ذہبیٔ عصر امام عبدالرحمٰن بن یحییٰ المعلمی الیمانی رحمہ اللہ نے بھی ابن عقدہ کی نقل کردہ جرح کو رد کر دیا ہے۔

دیکھئے التنکیل بمافی تأنیب الکوثری من الاباطیل (۴۶۱/۱ ت ۲۱۹)

۲: امام دارقطنی نے محمد بن عثمان بن ابی شیبہ کے بارے میں کہا: ''**كان يقال أخذ كتاب أبي أنس و كتب منه فحدّث**'' کہا جاتا ہے کہ اس نے ابوانس اور دوسروں کی کتابیں لیں پھر ان میں سے لکھا اور بیان کیا۔

(سوالات حمزہ السہمی: ۴۷ وسندہ صحیح، تاریخ بغداد ۴۶/۳ وسندہ صحیح)

اس جرح میں ''**كان يقال**'' کا فاعل نامعلوم ہے لہٰذا یہ جرح بھی ساقط ہے۔

امام دارقطنی نے فرمایا: ''**ضعيف**'' محمد بن عثمان بن ابی شیبہ ضعیف ہے۔

(سوالات الحاکم النیسابوری للدارقطنی: ۱۷۲ وسندہ صحیح)

یہ جرح جمہور کی توثیق کے خلاف ہونے کی وجہ سے مرجوح ہے۔

۳: محدث برقانی نے ابن ابی شیبہ کے بارے میں کہا: میں استادوں سے مسلسل یہی سنتا آیا ہوں کہ وہ مجروح ہے۔ (تاریخ بغداد ۳/۴۶ وسندہ صحیح)

اس جرح میں استاد نا معلوم ہیں۔

☆ احمد بن جعفر بن ابی جعفر محمد بن عبید اللہ بن ابی داود بن المنادی نے کہا: ابو جعفر محمد بن عثمان بن ابی شیبہ: لوگوں نے اضطراب کے ساتھ اس سے کثرت سے روایتیں لیں... میں نے اہلِ حدیث کے استادوں اور بوڑھوں کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ کوفہ کی حدیث موسیٰ بن اسحاق، محمد بن عثمان، ابو جعفر الحضرمی (مطین) اور عبید بن غنام کی موت کے ساتھ مرگئی، یہ چاروں ایک ہی سال میں فوت ہوئے۔ (تاریخ بغداد ۳/۴۶، ۴۷ وسندہ صحیح)

یہ کوئی قابلِ ذکر جرح نہیں ہے بلکہ اس میں مجہول شیوخ سے محمد بن عثمان کی توثیق کی طرف اشارہ ہے۔

تعدیل: اس کے بعد محمد بن عثمان بن ابی شیبہ کی توثیق پیشِ خدمت ہے:

۱: ابن حبان (ذکرہ فی کتاب الثقات ۹/۱۵۵)

۲: ابن عدی، قال: "**لا بأس به ... ولم أرله حدیثاً منکرًا فأذکره**"

اس کے ساتھ کچھ حرج نہیں ہے... اور میں نے اس کی کوئی منکر حدیث نہیں دیکھی جسے میں ذکر کروں۔ (الکامل فی الضعفاء ۶/۲۲۹۷)

۳: عبدان نے کہا: **لا بأس به** (الکامل ۶/۲۲۹۷)

۴: خطیب بغدادی نے کہا: "**وکان کثیر الحدیث واسع الروایة ذامعرفة وفهم وله تاریخ کبیر**" اور وہ کثیر حدیثیں اور وسیع روایتیں بیان کرنے والے تھے، معرفت اور فہم رکھتے تھے اور آپ نے تاریخ کبیر لکھی ہے۔ (تاریخ بغداد ۳/۴۲)

☆ ابو علی صالح بن محمد البغدادی (جزرہ) سے مروی ہے کہ انھوں نے محمد بن عثمان کے بارے میں کہا: **ثقة** (تاریخ بغداد ۳/۴۲ وسندہ ضعیف)

یہ سند محمد بن علی المقرئ کے عدم تعین کی وجہ سے ضعیف ہے۔

☆ مسلمہ بن قاسم سے مروی ہے کہ ''لا بأس به ، کتب الناس عنه ، و لا أعلم أحدًا ترکه '' اس کے ساتھ کوئی حرج نہیں ہے، لوگوں نے اس سے (حدیثیں) لکھی ہیں اور میں نہیں جانتا کہ کسی نے اسے ترک کیا ہے۔ (لسان المیزان ۳۱۸/۵ ت ۷۷۵۰)

یہ توثیق دو وجہ سے لائقِ توجہ نہیں:

اول: مسلمہ بن قاسم بذاتِ خود مشبہ (اللہ کو مخلوق سے تشبیہ دینے والا) اور ضعیف ہے۔

دوم: مسلمہ تک صحیح متصل سند موجود نہیں ہے۔

۵: ابو عبداللہ الحاکم النیسابوری نے محمد بن عثمان بن ابی شیبہ کی بیان کردہ حدیث کو ''صحیح الاسناد'' کہا۔ دیکھئے المستدرک (ج ۲ ص ۱۹۶ ح ۲۷۹۴)

۶: حافظ ذہبی نے اسی روایت کو مسلم کی شرط پر صحیح کہا۔ حوالہ سابقہ (ح ۲۷۹۴)

تنبیہ: اس کے برعکس حافظ ذہبی نے محمد بن عثمان کے بارے میں یہ دعویٰ کر رکھا ہے کہ ''وثقه صالح جزرة و ضعفه الجمهور'' اسے صالح جزرہ نے ثقہ اور جمہور نے ضعیف قرار دیا ہے۔ (العبر ۳۴/۱ وفیات ۲۹۷ھ) !!

عرض ہے کہ نہ تو صالح جزرہ کی توثیق ثابت ہے اور نہ جمہور نے اسے ضعیف قرار دیا ہے لہٰذا ذہبی کا یہ قول خود ان کی اپنی توثیق کے مقابلے میں مردود یا منسوخ ہے۔

۷: ضیاء الدین المقدسی نے ان کی بیان کردہ حدیث کو اپنی مشہور کتاب المختارۃ میں درج کیا۔ (ج ۱۰ ص ۳۴ ح ۲۷)

۸: حافظ ہیثمی نے کہا: ''وهو ثقة و قد ضعفه غير واحد''

اور وہ ثقہ ہیں اور انھیں کئی نے ضعیف کہا ہے۔ (مجمع الزوائد ۱۵۰/۱، باب کتابۃ العلم)

۹: حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے محمد بن عثمان بن ابی شیبہ کے بارے میں فرمایا: ''حافظ الكوفة في طبقة البخاري و نحوه'' وہ بخاری وغیرہ کے طبقے میں کوفہ کے حافظ ہیں۔

(مجموع الفتاویٰ ابن تیمیہ ۱۸۹/۵)

یعنی شیخ الاسلام کے نزدیک وہ امام بخاری کے طبقے میں سے ہیں۔ سبحان اللہ!

۱۰: حافظ ابن کثیر نے محمد بن عثمان کی بیان کردہ ایک ضعیف روایت کے بارے میں کہا:
''إسناده جید حسن'' اس کی سند اچھی حسن ہے۔ (البدایہ والنہایہ ۲/۲۲۴)
معلوم ہوا کہ وہ ابن کثیر کے نزدیک حسن الحدیث ہیں۔

۱۱: حافظ منذری نے ''رواه الطبراني و رواته ثقات'' کہہ کر محمد بن عثمان کو ثقہ کہا ہے۔ دیکھئے الترغیب والترہیب (۳/۲۱۱ ح ۳۳۶۴) وحلیۃ الاولیاء (۴/۳۷۸) والسلسلۃ الصحیحۃ (۵/۴۶۶ ح ۲۳۵۲)

☆ محمد بن عثمان بن ابی شیبہ کے شاگردوں مثلاً عقیلی اور اسماعیلی وغیرہما نے ان پر کوئی جرح نہیں کی۔

☆ عصرِ حاضر میں اسماء الرجال کے ماہر شیخ معلّمی یمانی رحمہ اللہ نے محمد بن عثمان ابن ابی شیبہ کا زبردست دفاع کیا ہے اور جرح پر جرح کی ہے۔ دیکھئے التنکیل بما فی تانیب الکوثری من الاباطیل (ج ۱ ص ۴۶۰۔۴۶۲ ترجمہ ۲۱۹)

☆ محمد بن عثمان کے بارے میں شیخ البانی رحمہ اللہ نے مختلف متناقض تحقیقات پیش کرنے کے باوجود اعلان کیا کہ ''و هذا إسناد حسن رجاله كلهم ثقات رجال الشيخين غير محمد بن عثمان بن أبي شيبة و فيه كلام لا ينزل حديثه عن رتبة الحسن إن شاء الله كما بينته في مقدمة '' مسائل ابن أبي شيبة شيوخه '' تأليف محمد بن عثمان هذا .'' (الصحیحۃ ۴/۱۵۶ ح ۱۶۲۱)
یعنی شیخ البانی رحمہ اللہ کے نزدیک محمد بن عثمان ان شاء اللہ حسن الحدیث ہیں۔

(۲۰ جولائی ۲۰۰۷ء)

دعائے مغفرت: حافظ ندیم ظہیر کی والدہ محترمہ رحمہا اللہ فوت ہوگئی ہیں جن کی نمازِ جنازہ حافظ زبیر علی زئی نے ۲۴/ نومبر ۲۰۰۷ء کو جلال بلگن (گوجرانوالہ) میں پڑھائی۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ان کی مغفرت فرمائے۔ آمین [حافظ شیر محمد، مکتبۃ الحدیث حضرو ضلع اٹک]

محمد خُبیب احمد

ایک روایت اور اس کی تحقیق

ایک روایت میں آیا ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: مجھے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں خبر دی: "(۱) کسی نبی کے بعد کوئی نبی نہیں ہوتا مگر وہ نبی گزشتہ نبی کی عمر سے نصف عمر زندگی گزارتا ہے (۲) اور انھوں نے مجھے خبر دی کہ (سیدنا) عیسیٰ علیہ السلام ایک سو بیس برس زندہ رہے (۳) اور میں اپنے بارے میں خیال نہیں کرتا مگر یہ کہ میں بھی ساٹھ برس کی عمر میں جانے (فوت ہونے) والا ہوں۔"

[یہ روایت پیش کر کے قادیانی و مرزائی مذہب والے یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ سیدنا عیسیٰ بن مریم علیہما السلام فوت ہو گئے ہیں۔ حالانکہ یہ روایت بلحاظِ سند اور بلحاظِ متن دونوں طرح سے ثابت نہیں بلکہ ضعیف و باطل ہے۔ اصولِ حدیث کا مسئلہ ہے کہ ایسی روایت مردود و ناقابلِ استدلال ہوتی ہے۔ ادارہ علومِ اثریہ فیصل آباد کے رفیق محترم محمد خبیب احمد صاحب نے تحقیق کر کے اس روایت کا ضعیف، باطل اور مردود ہونا ثابت کر دیا ہے۔ اس روایت کے متن کا ناقابلِ استدلال بلکہ صریحاً عقل کے خلاف ہونا اس مضمون کے آخر میں مذکور ہے۔ (دیکھئے ص ۳۸)

معلوم ہوا کہ قادیانی و مرزائی مذہب والوں کا اس روایت سے استدلال کرنا عقلاً اور نقلاً دونوں طرح سے غلط ہے۔ اب اس روایت پر محترم خبیب صاحب کی تحقیق پیشِ خدمت ہے:]

اس روایت کو امام طحاوی نے شرح مشکل الآثار (۱۹۹/۵ ح ۱۹۳۷، ۱۳۹/۱۔۱۴۰ ح ۱۴۶، دوسرا نسخہ ۳۸۴/۲، ۴۹/۱) طبرانی نے المعجم الکبیر (۴۱۶/۲۲ ح ۱۰۳۱، مختصراً) ابن ابی عاصم نے الآحاد والمثانی (۳۶۹/۵۔۳۷۰ ح ۲۹۷۰ و رقم ۲۹۶۵ مختصراً) بیہقی نے دلائل النبوۃ (۱۶۵/۷۔۱۶۶) ابن عبدالبر نے التمہید (۲۰۰/۱۴) اور ابن عساکر نے تاریخ دمشق

(۴۸۱/۴۷ـ۴۸۲) میں '' محمد بن عبدالله بن عمرو بن عثمان أن أمه فاطمة ابنة الحسين عن عائشة عن فاطمة '' کی سند سے بیان کیا ہے۔

حافظ ابن کثیر نے اس حدیث کو المستدرک للحاکم اور المعرفۃ والتاریخ للامام یعقوب الفارسی کی طرف منسوب کیا ہے۔ (البدایہ والنہایہ ۹۵/۲) یہ روایت ان کتب میں تو دستیاب نہ ہو سکی، البتہ زیادات المعرفۃ والتاریخ (۲۶۵/۳ـ۲۶۶، ضمن المعرفۃ والتاریخ) میں موجود ہے۔

اس روایت کا مرکزی راوی محمد بن عبداللہ المعروف بالدیباج متکلم فیہ ہے۔اس کے بارے میں ائمۂ نقاد (جرح وتعدیل کے اماموں) کی تنقید ملاحظہ فرمائیں:

① بخاری: لا يكاد يتابع في حديثه (التاریخ الاوسط ۲۶۶/۳ ۴ رقم:۶۹۳، دوسرا نسخہ المطبوع خطأً باسم التاریخ الصغیر ۲/ ۷۶، التاریخ الکبیر ۱۳۸/۱: ''عنده عجائب'' الضعفاء الصغیر ص ۳۲۵ دوسرا نسخہ رقم: ۴۳۸)

② مسلم: عن أبى الزناد منكر الحديث (الکنی ۴۸۷/۱، رقم: ۱۸۸۴، تاریخ دمشق ۲۸۶/۵۶)

③ ابن حبان: في حديثه عن أبى الزناد بعض المناكير (الثقات ۴۱۷/۷)

④ ابن الجارود: لا يكاد يتابع على حديثه (تہذیب التہذیب ۲۶۹/۹)

⑤ ابن خزیمہ: وأنا أبرأ من عهدته . (تاریخ دمشق لابن عساکر ۲۸۴/۵۶ وسندہ صحیح)

⑥ ابواحمد الحاکم الکبیر: ليس بالقوي عندهم (تاریخ دمشق ۲۸۴/۵۳ـ۲۸۵ وسندہ صحیح)

☆ النسائی: ليس بالقوي (تاریخ دمشق ۲۸۶/۵۶)

اس قول کی سند میں عبدالکریم بن الامام النسائی مجہول الحال ہے۔

ائمۂ معدلین اور ان کی تعدیل

① عجلی: ثقة (تاریخ الثقات ص ۴۰۶ رقم: ۱۴۷۲، معرفۃ الثقات بترتیب الہیثمی والسبکی ۲۴۲/۲ رقم: ۱۶۱۴)

☆ نسائی: ثقة . (میزان الاعتدال ۵۹۳/۳ وتہذیب الکمال ۳۷۹/۶)

یہ قول بلاسند ہونے کی وجہ سے امام نسائی سے ثابت نہیں ہے۔

☆ ابن عدی: حديثه قليل ومقدار ماله يكتب

اس کی حدیثیں تھوڑی ہیں اور اس کی روایتیں لکھی جاتی ہیں۔ (الکامل ۲۲۲۴/۶)

یہ نہ توثیق ہے اور نہ جرح ہے لیکن جرح کی طرف اشارہ ہے۔

☆ ابن حجر: صدوق (التقریب:۶۰۷۶) ثقة (تعجیل المنفعة ص ۳۰۶ ترجمہ عمرو بن جعفر)

مگر حافظ صاحب نے فتح الباری کتاب الطب باب الجذام (۱۰/۱۵۹ رقم: ۵۷۰۷) کے تحت سنن ابن ماجہ کی اس کے واسطے سے ایک روایت:((لا تدیموا النظر إلی المجذوم)) کو ضعیف کہا ہے۔اس روایت کی تخریج کے لئے ملاحظہ ہو: الصحیحة للالبانی (۳/۵۱۔۵۳ ح ۱۰۶۴) اور انیس الساری فی تخریج احادیث فتح الباری (۹/۶۰۸۱۔۶۰۸۵)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حافظ صاحب نسیان یا تردد کا شکار ہو گئے ہیں یا پھر یہی ان کا آخری فیصلہ ہے۔ایسے متکلم فیہ راوی (اور ضعیف عندالجمہور) کا تفرد بالخصوص جب کہ اس کی روایت میں ضعف اور نکارت ہو، نا قابلِ قبول ہے۔

اس روایت کے بارے میں حافظ ہیثمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اس (حدیث) کو امام طبرانی نے ضعیف سند سے روایت کیا ہے۔امام بزار نے بھی اس (روایت) کا کچھ حصہ روایت کیا ہے اور اس کے رجال میں ضعف (کمزوری) ہے۔'' (مجمع الزوائد ۹/۲۳)

حافظ ابن عساکر نے یہ فرما کر اس کے ضعف کی طرف اشارہ کیا ہے کہ ''صحیح بات یہی ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام اس عمر کو نہیں پہنچے۔'' (تاریخ دمشق ۴۷/۴۸۲)

حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں: ''حدیث غریب'' (البدایہ والنہایہ ۲/۹۵ دوسرا نسخہ ۲/۲۹۲)

حافظ ابن حجر نے بھی اس روایت کے اثبات میں شک کا اظہار یوں کیا ہے: ''جب عیسیٰ علیہ السلام کو (آسمانوں پر) اٹھایا گیا تو اس وقت ان کی عمر میں اختلاف کیا گیا ہے، ایک قول کے مطابق تینتیس برس اور دوسرے قول کے مطابق ایک سو بیس برس کہا گیا ہے۔'' (فتح الباری ۶/۴۹۳)

محدث البانی رقمطراز ہیں: ''اس کی سند میں کچھ کمزوری ہے۔'' (الضعیفة ۹/۴۲۵)

خلاصہ یہ کہ محمد بن عبداللہ الدیباج جمہور محدثین کے نزدیک ضعیف راوی ہے۔اس کی توثیق صرف ایک محدث سے ثابت ہے اور جرح چھ محدثین سے ثابت ہے لہٰذا یہ روایت ضعیف و مردود ہے۔کہا جاتا ہے کہ محمد بن عبداللہ الدیباج کی عامر بن واثلہ اللیثی نے

متابعت کر رکھی ہے۔ اسے امام طبرانی نے (المعجم الکبیر ۲۲/ ۴۱۷۔ ۴۱۸ ح ۱۰۳۰) میں ''**عبدالکریم بن یعقوب (!) عن جابر عن أبی الطفیل عن عائشة عن فاطمة**'' کی سند سے بیان کیا ہے مگر یہ سند بھی درج ذیل علل کی وجہ سے ضعیف ہے:

① جابر جعفی ضعیف اور مشہور رافضی ہے۔ (التقریب: ۸۸۶)

② عبدالکریم بن یعقوب: عبدالکریم بن یعفور جعفی ابو یعفور سے محرف ہے، جیسا کہ امام طبرانی نے دوسری جگہ ایک حدیث کی سند میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔

دیکھئے المعجم الکبیر (۳/ ۹۵ ح ۲۷۶۷)

المعجم الاوسط للطبرانی کے مخطوطہ (۱/ ۲۳۳/ ب، ح ۴۰۹۱) بحوالہ الضعیفۃ للالبانی (۱۲/ ۱۸۱) میں بھی عبدالکریم ابو یعفور ہے، جبکہ مطبوعہ نسخے (۴/ ۵۵۵ ح ۳۹۴۶) میں یہ محرف ہو کر ابو یعقوب ہو گیا، پس اصلاح کر لیں۔

۲۔ درج ذیل مراجع میں بھی اس کا نام عبدالکریم بن یعفور ابو یعفور وارد ہوا ہے:

التاریخ الکبیر للبخاری (۶/ ۹۱، رقم ۱۸۰۶) الجرح والتعدیل (۶/ ۶۱، رقم ۳۲۰) الکنیٰ لمسلم (۲/ ۹۳۰، رقم ۳۷۹۵) الکنیٰ للدولابی (۲/ ۱۶۹) الثقات لابن حبان (۸/ ۴۲۳) میزان الاعتدال (۲/ ۶۴۷) المغنی (۲/ ۴۰۳) تاریخ الاسلام (حوادث ۱۸۱۔ ۱۹۰ھ، ص ۲۸۱۔ ۲۸۲) المشتبہ للذہبی (۲/ ۶۷۰) توضیح المشتبہ لابن ناصر الدین (۵/ ۴۷۱) لسان المیزان (۴/ ۵۳، اس کے بعض نسخوں میں ابن یعقوب واقع ہوا ہے۔ دوسرا نسخہ ۴/ ۲۴۵) الاکمال لابن ماکولا (۷/ ۴۳۶)

۳۔ لفظ یعقوب کا لفظ یعفور کے ہم شکل وہم وزن ہونے کی وجہ سے بھی خطا کا احتمال قوی ہے۔

تنبیہ: حافظ ذہبی نے میزان الاعتدال (۲/ ۶۴۷) میں کسی دلیل کے بغیر عبدالکریم بن یعفور خزاز کو ولید بن صالح کا استاد قرار دیا ہے۔ حالانکہ امام ابن ابی حاتم نے ان کو علیحدہ علیحدہ ذکر کر کے ان پر مختلف جرح نقل کی ہے۔

ابن یعفور کو ابو حاتم نے **شیخ لا یعرف** کہا ہے۔ (الجرح والتعدیل ۶/ ۶۱ رقم: ۳۲۰) اور

اس کا لقب خزاز (خراز) ذکر نہیں کیا۔

امام بخاری نے بھی التاریخ الکبیر (۹۱/۶) میں اس کے بارے میں سکوت کیا ہے۔

ولید بن صالح کے استاد عبدالکریم پر امام ابوحاتم نے کان یکذب کی جرح کر رکھی ہے۔

(الجرح والتعدیل ۶۲/۶ رقم:۳۲۶)

حافظ ابن حجر نے لسان المیزان (۵۳/۴) میں حافظ ذہبی کا رد کیا ہے مگر ان کے کلام سے اس کی تفصیل واضح نہیں ہوتی۔

تیسرا راوی عبدالکریم بن خراز ہے جو کہ جابر جعفی کا شاگرد ہے، اس کے بارے میں ازدی نے کہا: **واهي الحديث جدًا** ۔حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: ''یہ عبدالکریم بن عبدالرحمٰن خراز ہے'' (لسان المیزان ۵۳/۴) یعنی یہ راوی اسی طبقے کا ہے مگر عبدالرحمٰن کا بیٹا ہے ابن یعفور نہیں۔امام ابن ماجہ نے سنن میں اس سے روایت لی ہے۔ دیکھئے تہذیب الکمال (۷/۱۲)

حافظ ابن حبان نے اسے **مستقیم الحدیث** کہا ہے (الثقات ۴۲۳/۷، اس میں عبدالکریم بن عبدالکریم بجلی ہے جو کہ خطا ہے۔ درست وہی ہے جو ہم ذکر کر آئے ہیں۔)

حافظ ذہبی نے وثق کہا ہے۔ (الکاشف ۲۰۵/۲ رقم:۳۴۷۳)

حافظ ذہبی اس اصطلاح کا اطلاق عام طور پر ان راویوں پر کرتے ہیں جن کو صرف ابن حبان نے ثقہ کہا ہوتا ہے، مگر خود حافظ ذہبی میزان الاعتدال میں عام طور پر ان راویوں کو مجہول کہتے ہیں اور حافظ ابن حجر ایسے راویوں کو مقبول کہتے ہیں جس کی تفصیل کا یہ محل نہیں۔ شائقین ملاحظہ فرمائیں الصحیحہ للالبانی (۱۷۹/۵)

ایسے ہی ابن یعفور کو حافظ ابن حجر نے مقبول کہا ہے۔ (التقریب:۴۱۸۱)

اگر حافظ صاحب ازدی کی جرح کو بھی مدنظر رکھتے تو اس کو اپنے اصول اور قاعدے کے مطابق ضعیف راوی قرار دیتے۔ واللہ اعلم

خلاصہ: عبدالکریم بن یعفور مجہول الحال راوی ہے اگرچہ حافظ ابن حبان نے اسے ثقات (۴۲۳/۸) میں ذکر کیا ہے۔ محدثین کے ہاں ابن حبان کا مجہول راویوں کو ثقات میں ذکر

کرنا یا ثقہ قرار دینا معروف ہے جس کی بنا پر وہ ایسی صورت میں غیر معتبر ہیں۔
حافظ ذہبی نے المشتبہ (۶۷۰/۲) ابن حجر نے تبصیر المنتبہ (۱۴۹۵/۴) میں **لا یعرف** کہا ہے۔
ابن ناصر الدین الدمشقی کا رجحان بھی اسی جانب ہے۔ (توضیح المشتبہ ۴۷۱/۵)
شیخ البانی نے بھی اسی کو ترجیح دی ہے۔ (الضعیفۃ ۱۸۳/۱۲)
اس لئے الدیباج کے لئے یہ متابعت بھی قابلِ تقویت نہیں ہے، لہٰذا یہ روایت اپنی ان دو سندوں کے باوجود ضعیف ہے۔ اب تفصیلاً اس حدیث کے شواہد ملاحظہ فرمائیں:

پہلا شاہد: حدیثِ عائشہ رضی اللہ عنہا

امام بزار اور ابن عبدالبر رحمہما اللہ نے ''**ابن لهيعة عن جعفر بن ربيعة عن عبدالله بن عبدالله بن الأسود عن عروة عن عائشة**'' کی سند سے مرفوعاً یہ الفاظ بیان کئے ہیں:

((ما بعث نبي إلا كان له من العمر نصف عمر الذي قبله وقد بلغت نصف عمر الذي قبلي ، فبكيت .)) (کشف الاستار للہیثمی ۳۹۸/۱ ح ۸۴۶، التمہید ۱۹۹/۱۴۔۲۰۰، موسوعۃ شروح الموطأ ۲۶۱/۲۲، الذریۃ الطاہرۃ للدولابی رقم: ۱۷۸)

ابن لہیعہ اگرچہ صدوق راوی ہیں مگر یہ اپنی وہ کتب جن سے دیکھ کر احادیث بیان کیا کرتے تھے۔ ان کے جل جانے کے بعد یہ اپنے حافظے سے ہی احادیث بیان کرتے تھے، جس کی بنا پر وہ احادیث کی اسانید اور متون میں غلطی اور بھول کا شکار ہو جاتے تھے۔ اس لئے ان کی وہی روایات معتبر ہیں جو انھوں نے اختلاط سے پہلے بیان کی ہیں۔ بعد از اختلاط روایت کرنے والے شاگردوں کی روایت کا اعتبار نہیں کیا جائے گا اور مذکورہ روایت انھوں نے اختلاط (سٹھیا جانے) کے بعد روایت کی ہے۔

ابن لہیعہ سے درج ذیل شاگردوں نے اختلاط سے پہلے سنا ہے:
عبداللہ بن المبارک، عبداللہ بن وہب، عبداللہ بن یزید المقرئ، عبداللہ بن مسلمہ القعنبی، یحییٰ بن اسحاق، ولید بن مزید، عبدالرحمٰن بن مہدی، اسحاق بن عیسیٰ، سفیان الثوری، شعبہ، اوزاعی، عمرو بن الحارث المصری، لیث بن سعد اور بشر بن بکر.

(دیکھئے الفتح المبین فی تحقیق طبقات المدلسین ص ۷۷، ۷۸)

اگر ابن لہیعہ سے مذکورہ شاگردوں میں سے کوئی روایت کرے اور ابن لہیعہ سماع کی تصریح کریں تو روایت حسن ہوتی ہے ورنہ ضعیف ہوتی ہے۔

عروہ رحمہ اللہ کے شاگرد عبداللہ بن عبداللہ بن الاسود کا ترجمہ نہیں مل سکا۔ التمہید میں عبداللہ بن عبیداللہ (تصغیر) اور الذریۃ الطاہرۃ میں عبدالملک بن عبیداللہ ہے۔

اگر یہ راوی مختلف نہیں اور ناسخ یا طابع کی غلطی بھی نہیں تو ممکن ہے کہ یہ بھی ابن لہیعہ کا وہم ہو۔ واللہ اعلم بالصواب

حافظ بزار نے اس کے تفرد اور نکارت کی جانب یوں اشارہ کیا ہے:

''لا نعلم روی عبداللہ عن عروۃ إلا ھذا .'' (کشف الاستار ۱/ ۳۹۸)

حافظ ہیثمی فرماتے ہیں: ''وروی البزار بعضه أیضًا و في رجاله ضعف .''

(مجمع الزوائد ۹/ ۲۳)

دوسرا شاہد: حدیثِ زید بن ارقم رضی اللہ عنہ

سیدنا زید بن ارقم رضی اللہ عنہ مرفوعاً بیان کرتے ہیں: ((ما بعث اللّٰہ عزوجل نبیًا إلا عاش نصف ما عاش الذي کان قبله .))

اس روایت کو طحاوی نے شرح مشکل الآثار (۵/ ۲۰۰ ح ۱۹۳۸) دوسرا نسخہ (۲/ ۳۸۴۔ ۳۸۵) بخاری نے التاریخ الکبیر (۷/ ۲۴۴۔ ۲۴۵ رقم ح ۱۰۴۲) یعقوب الفارسی نے المشیخۃ میں (بحوالہ المقاصد الحسنۃ ص ۳۶۳ والشذرۃ لابن طُولون ۲/ ۱۰۲) امام ابن عدی نے الکامل (۶/ ۲۱۰۲) دیلمی نے مسند الفردوس (۴/ ۳۷۳ ح 6215) ابونعیم نے معرفۃ الصحابۃ (۳/ ۱۱۷۵ ح ۲۹۸۱) وحلیۃ الاولیاء (۵/ ۶۸) اور سخاوی نے المقاصد الحسنۃ (۹۴۴) میں

''عبید بن إسحاق العطار عن کامل بن العلاء أبی العلاء التمیمي عن حبیب ابن أبي ثابت عن یحیی بن جعدۃ عن زید بن أرقم '' کی سند سے بیان کیا ہے۔

اس کی سند میں عبید العطار سخت ضعیف راوی ہے۔ جس کے بارے میں محدثین کی بعض

گواہیاں درج ذیل ہیں:

① بخاری: عنده مناكير. (التاریخ الکبیر ۴۴۱/۵، الضعفاء الصغیر رقم:۲۲۳)

② مسلم: متروك الحديث. (الکنیٰ ۱/۵۲۸ رقم:۲۱۰۷)

③ نسائی: متروك الحديث. (الضعفاء والمتروکین ص ۱۰۷ رقم:۲۲۳، دوسرا نسخہ رقم:۴۰۲)

④ ابن حبان: ممن يروى عن الأثبات ما لا يشبه حديث الثقات، لا يعجبنى الاحتجاج بما انفرد من الأخبار (المجروحین ۱۷۶/۲)

⑤ ابن عدی: وعامة ما يرويه إما أن يكون منكر الإسناد أو منكر المتن.

(الکامل ۱۹۸۷/۵)

دیکھئے میزان الاعتدال (۱۸/۳) ولسان المیزان (۳۴۹/۲-۳۵۰ تحقیق ابی غدۃ الکوثری)

دوسری علت: حبیب بن ابی ثابت مدلس راوی ہیں۔ دیکھئے معجم المدلسین لمحمد بن طلعت (ص ۱۲۸-۱۲۹) طبقات المدلسین لابن حجر (۶۹/۳) اور التدلیس فی الحدیث/ د۔ مسفر دمینی (ص ۲۸۹-۲۹۰) اور روایت معنعن ہے۔

محدث البانی نے اسے سخت ضعیف قرار دیا ہے۔

(الضعیفۃ ۴۲۴/۹ ح ۴۴۳۴، ضعیف الجامع الصغیر ۸۹/۵ ح ۵۰۴۰)

مناوی (صوفی) نے بھی اس کے ضعف کی طرف اشارہ کیا ہے۔ (فیض القدیر ۴۳۲/۵، ح ۷۸۵۵)

تیسرا شاہد: حدیث یزید بن زیاد

امام ابن سعد نے الطبقات الکبریٰ (۱۹۵/۲) اور انھی کی سند سے ابن عساکر نے تاریخ دمشق (۴۸۲/۴۷) میں ''هاشم بن القاسم عن أبي معشر نجيح بن عبدالرحمٰن عن يزيد بن زياد'' کی سند سے مرفوعاً یہ الفاظ نقل کئے ہیں: ((أنه لم يكن نبي إلا عاش نصف عمر أخيه الذي كان قبله، عاش عيسى بن مريم مائة و خمسًا و عشرين سنة وهذه اثنتان وستون سنة ومات في نصف السنة.))

اس کی سند بھی معلول ہے:

① ابو معشر نجیح بن عبدالرحمٰن السندی ضعیف اور مختلط ہے۔

(دیکھئے تقریب التہذیب: ۷۱۰۰ ، اور تہذیب الکمال ۱۹/ ۴۷-۵۲)

② انقطاع: اس کی سند میں مذکور یزید مدنی ہیں یا دمشقی ، ان کی نبی اکرم ﷺ سے ملاقات ثابت نہیں ہے۔ مدنی ثقہ ہیں جبکہ دمشقی متروک ہے اور اگر مذکورہ شخص صحابی ہیں تو ابو معشر نجیح بن عبدالرحمٰن السندی حافظ ابن حجر کے ہاں چھٹے طبقے کا راوی ہے اور یہ بات طے شدہ ہے کہ اس طبقے کے راویوں کی ملاقات کسی بھی صحابی سے ثابت نہیں ہے۔

(دیکھئے مقدمۃ التقریب ص ۲۸)

اور اگر وہ صحابی نہیں تو یہ روایت منقطع ہے جو نا قابلِ احتجاج ہے۔

چوتھا شاہد: حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ

سخاوی نے المقاصد الحسنۃ (ص ۳۶۳) ابن طولون نے الشذرۃ (۲/ ۱۰۳) اور ابن الدیبع نے تمییز الطیب (ص ۱۴۳) میں امام ابو نعیم کے حوالے سے سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ان الفاظ سے ذکر کی ہے:

((یا فاطمة ! إنه لم یعمر نبي إلا نصف عمر الذي قبله .))

اس کے بارے میں عجلونی رقمطراز ہیں: ''اس حدیث کے بارے میں ''حواشي المواهب للشبراملسي'' میں کلام (تنقید) موجود ہے۔'' (کشف الخفاء ۲/ ۲۳۸)

اس روایت کی سند نا معلوم ہے لہٰذا یہ روایت بے سند ہونے کی وجہ سے مردود ہے۔

پانچواں شاہد: حدیثِ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا

امام ابن ابی حاتم نے کسی سند کے بغیر سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی روایت کو ان الفاظ سے بیان کیا ہے: **((إن الله لم یبعث نبیًا إلا عمر في أمته شطر ما عمر النبي الماضي قبله وأن عیسی بن مریم کان أربعین سنة في بني إسرائیل ، وهذه لي عشرون سنة و أنا میت فی السنة .))** (تفسیر ابن ابی حاتم ۱۰/ ۳۴۷۲ ح ۱۹۵۲۱)

امام ابن مردویہ نے بھی سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے روایت نقل کی ہے۔

دیکھئے الدرالمنثور للسیوطی (۶/ ۴۰۶۔ ۴۰۷)

اس روایت اور اس کے مابعد آثار وغیرہ میں سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی بنی اسرائیل میں مدت اقامت پچھلی روایات کے برعکس چالیس برس بیان کی گئی ہے۔

یہ روایت بھی بے سند ہونے کی وجہ سے مردود ہے۔

چھٹا شاہد: مرسل یحییٰ بن جعدۃ رحمہ اللہ

امام ابن شاہین نے فضائل فاطمہ (ح ۷ ص ۲۱) اور انھی کی سند سے ابن عساکر نے تاریخ دمشق (۴۷/ ۴۸۳) میں یحییٰ بن جعدہ تابعی سے ایک مرفوع روایت ان الفاظ سے بیان کی ہے: ((**إن اللّٰه لم يبعث نبياً إلا وقد عمر الذي بعده نصف عمره وأن عيسى لبث في بني إسرائيل أربعين سنة وهذه توفي لي عشرين . ولا أراني إلا ميت في مرضي هذا** ...)) دیکھئے مسند اسحاق بن راہویہ (مخطوط ۲۴۶/ ب، طبقات ابن سعد ۲/ ۳۰۸، والمطالب العالیہ لابن حجر ح ۳۴۶۱، دوسرا نسخہ ح ۳۴۷۲)

یہ روایت المطالب دارالوطن الریاض کے مطبوعہ نسخے میں نہیں ہے۔

یہ روایت مرسل ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔

ساتواں شاہد: مرسل ابراہیم النخعی رحمہ اللہ

طبقات ابن سعد میں مروی ہے کہ '' **سفيان الثوري عن الأعمش عن إبراهيم قال قال رسول الله ﷺ: يعيش كل نبي نصف عمر الذي قبله و إن عيسى بن مريم مكث في قومه أربعين عاماً .** '' (۲/ ۳۰۸۔ ۳۰۹)

یہ روایت سفیان ثوری اور اعمش دونوں کی تدلیس کی وجہ سے ضعیف ہے۔ یاد رہے کہ مرسل روایت بذاتِ خود ضعیف ہوتی ہے۔

آٹھواں شاہد: اثر ابراہیم النخعی رحمہ اللہ

امام ابن عساکر نے تاریخ دمشق میں جناب ابراہیم نخعی رحمہ اللہ سے ان کا قول یوں بیان کیا ہے: ((**لم يكن نبي إلا عاش مثل نصف عمر صاحبه الذي كان قبله و عاش**

عيسى في قومه أربعين سنة .)) (۴۸۳/۴۷) اس اثر میں سلیمان بن مہران الاعمش مدلس راوی ہیں۔ دیکھئے معجم المدلسین (ص ۲۳۳۔۲۴۲) والتدلیس فی الحدیث (ص ۳۰۱۔۳۰۵) اور یہ روایت معنعن ہے لہٰذا ضعیف و غیر ثابت ہے۔

[طبقات ابن سعد کی ایک روایت میں آیا ہے کہ (سیدنا) حسن بن علی (رضی اللہ عنہما) نے (سیدنا) علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: آپ اس رات ستائیس رمضان کو فوت ہوئے ہیں جس رات عیسیٰ بن مریم (علیہما السلام) کی روح بلند کی گئی تھی۔ (۳۸/۳، ۳۹)

اس روایت کی سند ابو اسحاق السبیعی (مدلس) کی تدلیس (عن) کی وجہ سے ضعیف ہے۔]

قارئین کرام! آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ اس باب میں تمام روایات اور آثار ضعیف و مردود ہیں۔ ان احادیث میں سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی عمر میں اختلاف بھی ان احادیث کے ضعف پر دلالت کرتا ہے۔ مزید برآں صحیحین (صحیح بخاری: ۶۲۸۵ و صحیح مسلم: ۲۴۵۰) میں سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی یہ اصل روایت موجود ہے مگر کسی بھی سند سے یہ الفاظ منقول نہیں ہیں۔ اس لئے یہ حدیث ان الفاظ سے ضعیف بلکہ منکر ہے۔ هذا ما عندي و الله أعلم بالصواب

تنبیہِ بلیغ: یہ روایت اپنی تمام سندوں کے ساتھ ضعیف و مردود ہے اور اس کا متن بھی باطل ہے۔ علاوہ ازیں جو لوگ ختمِ نبوت کے منکر ہیں اور اس روایت کو بطورِ دلیل پیش کرتے ہیں، ان کے نزدیک سلسلۂ انبیاء جاری ہے لہٰذا اس حدیث کی رو سے ان کے نزدیک خاتم النبیین محمد رسول اللہ ﷺ کے بعد آنے والے کی عمر ۳۰ سال، اس کے بعد والے کی عمر ۱۵ سال، اس کے بعد آنے والے کی عمر ساڑھے سات سال ..... بنتی ہے جس کا کوئی مرزائی قادیانی/ختم نبوت کا منکر بھی قائل نہیں ہے لہٰذا اس ضعیف و مردود روایت سے منکرینِ ختمِ نبوت کا استدلال کرنا باطل ہے۔

قرآن، احادیثِ صحیحہ اور اجماع سے ثابت ہے کہ نبی کریم سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ آخری نبی ہیں اور آپ کے بعد قیامت تک کوئی نبی پیدا نہیں ہوگا۔

[محمد خُبیب احمد، رفیق ادارۂ علومِ اثریہ، فیصل آباد، ۳۱/ اکتوبر ۲۰۰۷ء یوم الاربعاء]

ہدیۃ المسلمین:۱۴ — حافظ زبیر علی زئی

نماز میں سورہ فاتحہ پڑھنا

((عن عبادة بن الصامت أن رسول الله ﷺ قال :لا صلوة لمن لم يقرأ بفاتحة الكتاب)) عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس شخص کی نماز نہیں جو سورہ فاتحہ نہ پڑھے۔ (صحیح البخاری ۱/۱۰۴ ح ۷۵۶، صحیح مسلم ۱/۱۶۹ ح ۳۹۴)

اس حدیث کے راوی سیدنا عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ فاتحہ خلف الامام کے (جہری و سری سب نمازوں میں) قائل وفاعل تھے۔ (کتاب القراءت للبیہقی ص ۶۹ ح ۱۳۳، واسنادہ صحیح، نیز دیکھئے ''احسن الکلام'' تصنیف سرفراز خان صفدر دیوبندی: ج ۲ ص ۴۲ طبع دوم)

راوی حدیث عبادہ رضی اللہ عنہ کے فہم کے مقابلے میں امام احمد وغیرہ کی تاویل صحیح نہیں ہے۔ خود امام احمد رحمہ اللہ فاتحہ خلف الامام کے قائل وفاعل تھے۔ (دیکھئے سنن الترمذی ح ۳۱۱)

فوائد:

① اس حدیث پاک سے ثابت ہوتا ہے کہ سورہ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہوتی، چاہے امام ہو یا مقتدی یا منفرد۔ (دیکھئے تبویب صحیح البخاری، اعلام الحدیث فی شرح صحیح البخاری للخطابی ۱/۵۰۰)

② یہ حدیث متواتر ہے۔ (جزء القراءۃ للبخاری: ح ۵)

③ سورت المزمل کی آیت: ﴿ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ﴾ سے ثابت ہوتا ہے کہ نماز میں مقتدی پر قراءت واجب (یعنی فرض) ہے۔

(دیکھئے نور الانوار: ص ۹۳، ۹۴، احسن الحواشی شرح اصول الشاشی: ص ۸۲ حاشیہ ۷، غایۃ التحقیق شرح الحسامی: ص ۷۳، النامی شرح الحسامی ص ۱۵۵، ۱۵۶ ج ۱، معلم الاصول ص ۲۵۰ وغیرہ)

حدیث بالا نے اس قراءت کا تعین سورہ فاتحہ سے کر دیا ہے۔

④ آیت ﴿ وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا ﴾ کا تعلق سورہ فاتحہ کے

ساتھ نہیں ہے، تحقیق کے لئے دیکھئے جزء القراءۃ للبخاری (تحت ح ۳۶) اور امام عبدالرحمٰن مبارکپوری رحمہ اللہ کی شہرۂ آفاق کتاب ''تحقیق الکلام'' وغیرہ بلکہ اس آیت کریمہ کا تعلق کفار کی تردید سے ہے۔ (دیکھئے تفسیر قرطبی ۱/۱۲۱، تفسیر البحر المحیط ۴/۴۴۸، الکلام الحسن ۲/۲۱۲)

⑤ حدیث ''إذا قرأ فأنصتوا'' (جزء القراءت: ح ۲۶۳) ماعدا الفاتحہ پر محمول ہے کیونکہ اس کے راوی صحابی سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فاتحہ خلف الامام کا جہری نماز میں حکم دیا ہے۔ (دیکھئے حدیث نمبر ۱۲ فائدہ: ۴ و آثار السنن: ۳۵۸، وقال: اسنادہ حسن)

جو لوگ اسے ماعدا الفاتحہ پر محمول نہیں سمجھتے ان کے نزدیک یہ روایت منسوخ ہے کیونکہ اس کے راوی کا یہ فتویٰ ہے کہ امام کے پیچھے (جہری نمازوں میں بھی) سورہ فاتحہ پڑھو، حنفیوں کے نزدیک اگر راوی اپنی روایت کے خلاف فتویٰ دے تو وہ روایت منسوخ ہوتی ہے۔

(دیکھئے جزء القراءت للبخاری بتحقیقی: ۲۶۳)

⑥ جمہور صحابۂ کرام سے سورہ فاتحہ خلف الامام ثابت ہے دیکھئے راقم الحروف کی کتاب ''الکواکب الدریة في وجوب الفاتحة خلف الإمام فی الصلوٰة الجهرية''

⑦ انصات کا مطلب مکمل خاموشی نہیں ہوتا بلکہ سکوت مع الاستماع ہے۔ سراً پڑھنا انصات کے منافی نہیں ہے جیسا کہ ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں تفصیلاً لکھا ہے۔ (ج ۳ ص ۳۵، بعد ح ۱۵۷۸) اور نسائی (ج ۱ ص ۲۰۸ ح ۱۴۰۴) کی حدیث: ''پھر خاموش رہے (اور جمعہ کا خطبہ سنے) حتیٰ کہ امام نماز سے فارغ ہو جائے'' بھی اس کی تائید کرتی ہے۔

⑧ سورہ فاتحہ کی اتنی اہمیت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اسے نماز قرار دیا ہے، حدیث قدسی کے مطابق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ''میں نے نماز کو اپنے اور بندے کے درمیان آدھا آدھا تقسیم کر لیا ہے، جب بندہ کہتا ہے: ﴿الحمد لله رب العالمين﴾ تو میں کہتا ہوں: حمدني عبدي میرے بندے نے میری تعریف بیان کی'' اسی طرح ہر آیت کے بعد اس کی مناسبت سے اللہ تعالیٰ جواب دیتا ہے، یعنی سورہ فاتحہ کے ذریعے سے بندہ اپنے رب کے ساتھ مناجات کرتا ہے۔

حافظ زبیر علی زئی

صحیح بخاری پر مجرمانہ حملے اوران کا جواب

(۱)

الحمد للّٰہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علیٰ رسولہ الأمین، أما بعد :

اگر پوچھا جائے کہ چور کی دشمنی سب سے زیادہ کس سے ہوتی ہے؟ تو اس کا آسان جواب یہ ہے کہ چوکیدار سے! کیونکہ چوکیدار ہی وہ شخصیت ہے جسے ختم کئے یا ہٹائے بغیر چور چوری نہیں کرسکتا۔ بالکل اسی طرح تمام اہلِ کفر، اہلِ باطل، اہلِ بدعت اور گمراہوں کا نشانہ علمائے حق بنتے ہیں۔ مثلاً یہود، نصاریٰ، ہنود، آلِ قادیان، منکرین حدیث اور مبتدعین کی تنقید کا نشانہ صحابۂ کرام وسلف صالحین بنتے ہیں۔ اسی سلسلے میں ایک منکرِ حدیث ڈاکٹر شبیر احمد نے "اسلام کے مجرم" نامی کتاب لکھ کر، صحیح بخاری وسلف صالحین پر مجرمانہ حملے کرکے یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ ڈاکٹر صاحب تو اسلام اور قرآن کے بڑے خیر خواہ ہیں۔!

اس مختصر وجامع مضمون میں ڈاکٹر شبیر صاحب اور ان کی نام نہاد "مجلس شوریٰ" کے صحیح بخاری پر اعتراضات کے جوابات پیش خدمت ہیں:

تنبیہ: اس کتاب کے صفحہ ۳ پر سعودی شیخ مفتی اعظم عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز رحمہ اللہ کی طرف منسوب ایک جعلی خط شائع کیا گیا ہے، جس کا انسانی آنکھ سے پڑھنا ناممکن ہے جبکہ شیخ ابن باز رحمہ اللہ احادیث صحیحہ کو حجت سمجھتے تھے۔ آپ نے حجیتِ سنت پر ایک رسالہ

"**وجوب العمل بسنة الرسول صلی اللہ علیہ وسلم وکفر من أنکرھا**"

[سنتِ رسول پر عمل کا وجوب اور اس کا انکار کرنے والے کا کفر] لکھا ہے اور اس میں منکرینِ حدیث کا دلائل سے بھرپور رد کیا ہے۔ شیخ ابن باز رحمہ اللہ کے نزدیک حدیث اسی طرح حجت ہے جس طرح قرآن حجت ہے۔ (دیکھئے مجموع فتاویٰ ومقالات متنوعہ ج۱ص ۲۱۶، ۲۱۹، ۲۲۱، ۲۴۵)

شیخ صاحب کے فتاویٰ میں صحیح بخاری وصحیح مسلم کے ہزاروں حوالے موجود ہیں۔ وہ ان سے

استدلال کرتے اور انھیں حجت وثابت سمجھتے تھے۔ ایک جگہ شیخ ابن باز رحمہ اللہ فرماتے ہیں:
''وأهم كتب الحديث وأصحها صحيح البخاري وصحيح مسلم فليكثر من مرا جعتهما والإستفادة منهما '' کتب حدیث میں اہم ترین اور صحیح ترین صحیح البخاری وصحیح مسلم ہیں لہٰذا ان دونوں کتابوں کی کثرت سے مراجعت اور ان سے استفادہ کرنا چاہیے۔ (مجموع فتاویٰ ومقالات ابن باز ۴/ ۲۳۰ بحوالہ المکتبۃ الشاملہ)
شیخ ابن باز رحمہ اللہ کی طرف جس ''حدیث'' کو منسوب کیا گیا ہے، اس کا متن درج ذیل ہے:
'' إذا روي عني حديث فأعرضوه (علیٰ) كتاب الله فإن وافق فاقبلوه ولا تذروه ''[اگر مجھ سے کوئی حدیث روایت کی جائے تو اسے کتاب اللہ پر پیش کرو پھر اگر وہ اس کے موافق ومطابق ہو تو اسے قبول کرلو ورنہ چھوڑ و۔]
یہ روایت ان الفاظ یا مفہوم کے ساتھ حدیث کی کسی باسند کتاب میں سند کے ساتھ مروی نہیں ہے بلکہ محض بے اصل اور باطل روایت ہے۔ شیخ محمد طاہر پٹنی ہندی (متوفی ۹۸۶ھ) نے اسے اپنی کتاب تذکرۃ الموضوعات میں ذکر کر کے مشہور محدث خطابی سے نقل کیا کہ ''وضعته الزنادقة .. '' اسے زندیقوں نے گھڑا ہے۔ (ص ۲۸)
زندیقوں اور کافروں کی گھڑی ہوئی اس روایت کو ایک عام طالب علم بھی بطورِ استدلال پیش نہیں کرسکتا تو شیخ ابن باز رحمہ اللہ کس طرح پیش کر سکتے تھے؟ دوسرے یہ کہ یہ بے اصل، باطل اور گھڑی ہوئی روایت بذاتِ خود قرآنِ مجید کے خلاف ہے۔
ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ج ﴾ اور تمھیں رسول جو دے تو اسے لے لو۔ (الحشر: ۷) اس قرآنی آیت سے معلوم ہوا کہ رسول ﷺ کا ہر حکم واجب التسلیم ہے لہٰذا رسول کی صحیح وثابت حدیث کو قرآن پر پیش کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔
ڈاکٹر صاحب اینڈ پارٹی نے چونکہ صحیح بخاری پر مجرمانہ حملے کئے ہیں لہٰذا ان کا اعتراض مجرم کے لفظ سے لکھ کر اس کا جواب لکھا گیا ہے۔
مجرم (۱): ''فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمت کا بہترین آدمی وہ ہے جس کی زیادہ بیویاں ہوں۔

(امام بخاری کتاب النکاح۔صفحہ۵۲) ''(اسلام کے مجرم ص ۲۲)

الجواب: نبی کریم ﷺ کی طرف منسوب یہ روایت صحیح بخاری میں قطعاً موجود نہیں ہے۔
صحیح بخاری میں تو یہ لکھا ہوا ہے کہ سعید بن جبیر نے کہا: مجھ سے ابن عباس نے کہا: کیا تم نے شادی کی ہے؟ میں نے کہا: نہیں، انھوں نے فرمایا: پس شادی کرلو کیونکہ اس اُمت کا بہتر وہ ہے جس کی بیویاں سب سے زیادہ ہیں۔ (کتاب النکاح باب کثرۃ النساء ح ۵۰۶۹)

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کے قول کو نبی کریم ﷺ کی حدیث بنا دینا ڈاکٹر شبیر احمد جیسے کذابین کا ہی کام ہے۔ یاد رہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کے اس قول کا مطلب یہ ہے کہ اس امت کے سب سے بہترین انسان سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی (ایک وقت میں) سب سے زیادہ بیویاں تھیں۔ دیکھئے فتح الباری (۹/۱۱۴) لہٰذا شادی نہ کرنے کے مقابلے میں شادی کرنا افضل ہے۔

مجرم (۲): ''نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی تمام بیویوں کے پاس ہر رات میں دورہ فرمالیا کرتے تھے اور وہ تعداد میں ۹ تھیں۔ (امام بخاری کتاب النکاح۔صفحہ۵۲) '' (اسلام کے مجرم ص ۲۲)

الجواب: صحیح بخاری میں ''في ليلة واحدة'' ایک رات میں (ح ۵۰۶۸) لکھا ہوا ہے نا کہ ''في كل ليلة'' لہٰذا ڈاکٹر صاحب نے ''ہر رات'' کا لفظ لکھ کر صحیح بخاری پر جھوٹ بولا ہے۔ شوہر کا اپنی بیوی کے پاس جانا یا اپنی بیوی سے جماع کرنا کوئی جرم نہیں ہے لہٰذا اعتراض کی بنیاد ہی باطل ہے۔ نام نہاد ڈاکٹر نے طنزیہ انداز میں نبی ﷺ کے بارے میں ''جنسی مشین نہ تھے'' کے الفاظ لکھ کر آپ کی توہین کی ہے جس طرح یہود و نصاریٰ اور کفار آپ ﷺ کی ازواجِ مطہرات کا غلط طریقے سے ذکر کر کے آپ ﷺ کی توہین کرتے ہیں۔
نبی ﷺ کے بارے میں اپنی زبان اور قلم کو ہر وقت لگام دینی چاہئے ورنہ عین ممکن ہے کہ نہ صرف سارے اعمال ضائع ہو جائیں بلکہ دائرۂ اسلام سے ہی خارج ہو جائے اور خبر بھی نہ ہو۔

رسول اللہ ﷺ کا ایک رات میں اپنی ساری (۹) بیویوں کے پاس تشریف لے جانا امام بخاری سے پہلے امام احمد بن حنبل (المسند ۳/۹۹، ۱۶۱، ۱۸۵، ۲۲۵) امام ابن ابی شیبہ (المصنف ۱/۱۴۷ ح ۱۵۶۱) امام عبدالرزاق (المصنف ۱/۲۷۵ ح ۱۰۶۱) وغیرہم نے

مختلف سندوں کے ساتھ بیان کر رکھا ہے۔

مسند احمد (۳/۱۶۰ ح ۱۲۶۳۲) ومسند عبد بن حمید (۱۲۶۳، ۱۳۲۵) اور مسند الدارمی (۷۵۳) کی صحیح حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ ایک دن (ورات) کا واقعہ ہے۔ایک دن رات کے واقعے کو ڈاکٹر صاحب ''ہر رات'' کا لفظ لکھ کر مسخرہ بازی کر رہے ہیں۔

مجرم (۳): ''انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی سب بیویوں کے پاس ایک گھنٹے کے اندر دورہ فرمالیا کرتے تھے اور وہ گیارہ تھیں۔ (کتاب الغسل میں امام بخاری کے نام سے اس حدیث کا عنوان لکھا گیا ہے۔''ایک ہی غسل سے جماع کے بعد جماع تمام بیویوں سے کرنا'') (صفحہ ۱۸۹ صحیح بخاری جلد دوم)'' (اسلام کے مجرم ص ۲۲)

الجواب: یہ روایت ''الساعة الواحدة'' کے الفاظ کے ساتھ صحیح بخاری (۲۶۸) میں موجود ہے۔صحیح بخاری سے پہلے یہ حدیث مسند احمد (۳/۲۹۱) وغیرہ میں مذکور ہے۔یہاں الساعۃ الواحدہ سے زمانے کا ایک حصہ مراد ہے نہ کہ ماہرین فلکیات کی اصطلاحات (دیکھئے ارشاد الساری ۱/۳۲۵ وفتح الباری ۱/۳۷۷) لغت میں وقت اور زمانے کے ایک حصے کو بھی الساعۃ کہتے ہیں۔دیکھئے القاموس الوحید (ص ۸۲۳) لہٰذا ڈاکٹر صاحب کا ''ایک گھنٹے کے اندر'' والا ترجمہ غلط ہے۔یہ بات عام لوگوں کو بھی معلوم ہے کہ نبی ﷺ کے زمانے میں مروجہ گھڑیاں ایجاد نہیں ہوئی تھیں لہٰذا ایک گھنٹے کا ذکر کہاں سے آگیا؟

اگر مروجہ ایک گھنٹہ ہی مراد ہوتا تو بھی اعتراض کی کوئی بات نہیں تھی کیونکہ شوہر کا اپنی بیوی یا اپنی بیویوں سے جماع کرنا حلال ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے: وہ تمھارا لباس ہیں اور تم ان کا لباس ہو۔(سورۃ البقرۃ :۱۸۷) نیز دیکھئے جواب سابق:۲

مجرم (۴): ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپؐ ایسی وادی میں اتریں جہاں بہت سے درخت ہوں لیکن اُن کے پتے چَرا لئے گئے ہوں اور ایک درخت آپؐ ایسا بھی پائیں جس کے پتے چَرائے نہ گئے ہوں، تو آپؐ اپنے اونٹ کو کس درخت سے چَرائیں گے؟ فرمایا: ''اُس درخت سے جس کے پتے چَرائیں نہ گئے ہوں'' امام بخاری کہتے ہیں کہ عائشہ صدیقہؓ کی مراد یہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں

میں صرف وہ ہی کنواری تھیں۔(بخاری کتاب النکاح۔صفحہ ۵۵)'' (اسلام کے مجرم ص ۲۲، ۲۳)

الجواب: اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے نزدیک کنواری لڑکی سے شادی کرنا افضل ہے۔اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ غیر کنواری سے شادی کرنا جائز نہیں ہے۔

تنبیہ: صحیح بخاری (۵۰۷۷) والی یہ روایت صحیح ابن حبان (الاحسان: ۴۳۱۶/۴۳۳۱) میں بھی موجود ہے اور امام بخاری کے علاوہ محمد بن ایوب سے بھی مروی ہے کہ انھوں نے یہ حدیث ابن ابی اویس سے بیان کی ہے۔ دیکھئے السنن الکبریٰ للبیہقی (۸۱/۷)

یاد رہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر پورا درود لکھنا چاہئے صرف ''ص'' لکھنا جائز نہیں۔ دیکھئے کتب اصول الحدیث اور مقدمہ ابن الصلاح ۲۰۹، دوسرا نسخہ ص ۲۹۹

مجرم (۵): ''عائشہؓ فرماتی ہیں۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور میں ایک ٹب میں نہاتے تھے اور وہ صلی اللہ علیہ وسلم حالتِ حیض میں مجھ سے اختلاط فرمایا کرتے تھے۔(بخاری کتاب الحیض۔صفحہ ۹۷)''

(اسلام کے مجرم ص ۲۶)

الجواب: صحیح بخاری میں ایسی کوئی حدیث موجود نہیں ہے جس میں یہ آیا ہو کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور میں ایک ٹب میں نہاتے تھے'' لہٰذا ہوسکتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے صحیح بخاری پر جھوٹ بول کر جھوٹ کا عالمی ریکارڈ قائم کرنے کی کوشش کی ہو۔صحیح بخاری میں تو یہ لکھا ہوا ہے کہ ''**كنت أغتسل أنا والنبي صلی اللہ علیہ وسلم من إناء واحد كلانا جنب وكان يأمرني فأتزر فيباشرني وأنا حائض**'' میں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم حالتِ جنابت میں ایک برتن سے (پانی لے کر) غسل کرتے تھے اور میں جب حالتِ حیض میں ہوتی تو آپ مجھے ازار باندھنے کا حکم دیتے پھر میرے ساتھ مباشرت فرماتے یعنی میرے ساتھ (میری حالتِ حیض میں) لیٹ جاتے تھے۔ (صحیح بخاری کتاب الحیض باب مباشرۃ الحائض ح ۲۹۹، ۳۰۰)

اس برتن سے دونوں ایک ہی وقت میں اپنے ہاتھوں سے پانی لیتے تھے۔

دیکھئے صحیح بخاری (۲۶۱، ۲۷۳) ایک روایت میں ہے: ''**من إناء بيني وبينه واحد**''

میرے اور آپ کے درمیان میں ایک برتن ہوتا تھا۔ ملخصًا (صحیح مسلم: ۳۲۱/ ۷/۴۲)

اندھیری رات میں روشنی کے بغیر، میاں بیوی کا ایک ہی برتن سے پانی لے کر اکٹھے نہانا کس دلیل کے خلاف ہے؟ اللہ کا شکر ادا کریں کہ امہات المومنین نے نبی ﷺ کے غسل کا طریقہ یاد کر کے اُمت کے سامنے بیان کر دیا ہے تاکہ دین اسلام ہر طرح سے مکمل رہے۔ والحمدللہ

حالتِ حیض میں جماع کرنا جائز نہیں ہے لیکن جماع کے بغیر میاں بیوی کا باہم لیٹ جانا منع نہیں بلکہ جائز ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((اِصنعوا کلّ شيء إلا الجماع .)) جماع کے علاوہ سب چیزیں کرو۔ (سنن ابن ماجہ: ۶۴۴ وسندہ صحیح، صحیح مسلم: ۳۰۲/ ۶۹۴ نحو المعنیٰ) یعنی حائضہ بیوی سے دخول والا جماع ممنوع ہے اور باقی سب باتیں مثلاً پیار کرنا، لیٹنا، ساتھ سلانا اور اکٹھے کھانا پینا جائز ہے اور اس حدیث میں اسی کو اختلاط ومباشرت کہا گیا ہے لہٰذا اعتراض کی کیا بات ہے؟

ایک برتن سے (پانی لے کر) نہانے والی حدیث صحیح بخاری سے پہلے کتاب الام للشافعی (۸/۱) اور مسند احمد (۳۷/۶) وغیرہما میں بھی موجود ہے۔ والحمدللہ

مجرم (۲): ''رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جابر بن عبداللہ کو سرزنش کی، تم نے شوہر دیدہ (بیوہ) عورت سے نکاح کیوں کیا؟ کنواری نوعمر لڑکی سے نکاح کیوں نہ کیا کہ تم اُس سے کھیلتے اور وہ تُم سے کھیلتی۔ (بخاری کتاب النکاح۔ صفحہ ۵۶) آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو بیواؤں اور بے سہاروں کا سہارا تھے۔''

(اسلام کے مجرم ص ۲۶)

الجواب: یہ حدیث سرزنش کے لفظ کے بغیر صحیح بخاری میں موجود ہے۔ (ح ۵۰۸۰)

سرزنش کا مطلب ہے: ''ملامت۔ جھڑکی۔ گھڑکی'' (لغاتِ سعیدی ص ۴۱۰)

لغت کی ایک دوسری کتاب میں لکھا ہوا ہے: ''سرزنش کرنا۔ التأنیب، التوبیخ'' (المعجم اردو عربی ص ۴۲۴) حدیث میں تأنیب و توبیخ اور ان کی مشتقات والا کوئی لفظ موجود نہیں ہے لہٰذا ڈاکٹر صاحب نے اپنی طرف سے ''سرزنش'' کا لفظ گھڑ کر حدیث میں اضافہ کر دیا ہے۔

نبی ﷺ نے جابر رضی اللہ عنہ سے پوچھا تھا کہ تم نے کنواری سے کیوں نکاح نہیں کیا؟ انھوں نے

جواب دیا: (میرے والد شہید ہو گئے ہیں اور) میری کئی بہنیں ہیں۔ (دیکھئے صحیح البخاری کتاب البیوع باب شراء الدواب والحمیر ح ۲۰۹۷) یہ جواب سن کر پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سلسلے میں دوسرا کوئی سوال نہیں کیا (بلکہ تصدیق فرمائی جیسا کہ آگے آرہا ہے) مگر حدیث کا مذاق اڑانے والے ڈاکٹر کو اصرار ہے کہ آپ نے سرزنش کی۔ منکرینِ حدیث کا یہ طریقہ ہے کہ حدیث کا غلط ترجمہ کر کے اور اس میں خود ساختہ الفاظ کا اضافہ کر کے یہ کوشش کرتے ہیں کہ عوام کے دل میں حدیث کی نفرت بیٹھ جائے۔ جب تحقیق کی جاتی ہے تو یہ تمام اعتراضات باطل ثابت ہوتے ہیں اور حدیث کی محبت میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے۔ والحمدللہ

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ یہ حدیث صحیح بخاری سے پہلے مسند احمد (۳۰۸/۳) ومسند الحمیدی (۱۲۳۷ بتحقیقی وسندہ صحیح) میں بھی موجود ہے بلکہ مسند الحمیدی وصحیح البخاری (۴۰۵۲) میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جابر رضی اللہ عنہ کا جواب سُن کر فرمایا: ((أصبت .)) تم نے ٹھیک کیا ہے۔

مجرم (۷): ''میرے بعد لوگوں پر عورت سے بڑھ کر فتنہ کوئی نہیں۔ (حدیث بخاری کتاب النکاح۔ صفحہ ۶۱)'' (اسلام کے مجرم ص ۲۶، ۲۷)

الجواب: صحیح بخاری (۵۰۹۶) کی یہ حدیث: ((ماترکت بعدي فتنة أضر علی الرجال من النساء.)) صحیح بخاری سے پہلے مسند الحمیدی (۵۴۷ بتحقیقی) ومسند احمد (۲۰۰/۵، ۲۱۰) اور مصنف عبدالرزاق (۳۰۵/۱۱ ح ۲۰۶۰۸) وغیرہ میں موجود ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَ اَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ ج﴾ اے ایمان والو! بے شک تمھاری بیویوں اور اولاد میں سے (بعض) تمھارے دشمن ہیں لہٰذا ان سے ڈرو۔ (التغابن:۱۴)

دنیا میں جتنا فتنہ وفساد ہے اس کی اصل زَن (عورت) زر (سونا، دولت) اور زمین ہے۔ اردگرد کا ماحول دیکھیں، اللہ کے سوا جن کی پوجا کی جارہی ہے وہاں کا نظارہ کریں تو اکثریت عورتوں کی ہی پائیں گے۔

معلوم ہوا کہ درج بالا حدیث بالکل صحیح ہے اور قرآن کے خلاف نہیں لہٰذا اعتراض کی کیا بات ہے؟ یاد رہے کہ عورتوں کی اکثریت کا فتنہ میں مبتلا ہونا اس بات کو مستلزم نہیں ہے کہ تمام عورتیں فتنہ پرور ہیں۔ عورتوں میں کئی عورتیں بہت نیک، دیندار بلکہ کئی عورتیں عام مردوں سے علم، نیکی اور تقویٰ وغیرہ میں زیادہ ہوتی ہیں۔

مجرم (۸): ''خولہ بنت حکیم نے خود کو نبی کے لئے تحفتاً پیش کیا۔ حضرت عائشہؓ بولیں۔ ''عورت کو ایسا کہتے شرم نہیں آتی'' نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہونے لگی تو حضرت عائشہؓ بولیں۔ ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں تو یہ دیکھتی ہوں کہ آپؐ کا رب آپؐ کی خواہشات کو پورا کرنے میں بہت جلدی کرتا ہے۔ (بخاری کتاب النکاح۔ صفحہ ۶۷)'' (اسلام کے مجرم ص ۲۷)

الجواب: رسول اللہ ﷺ کے بارے میں یہ خاص حکم تھا کہ اگر کوئی مومنہ عورت بغیر حق مہر اور بغیر شروطِ نکاح کے اپنی جان آپ کو پیش کرتی تو آپ کے لئے اسے نکاح میں لانا جائز تھا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَامْرَاَةً مُّؤْمِنَةً اِنْ وَّهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ اِنْ اَرَادَ النَّبِيُّ اَنْ يَّسْتَنْكِحَهَا ۖ خَالِصَةً لَّكَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۗ﴾ اور کوئی مومنہ عورت اگر اپنی جان نبی کے لئے ہبہ کرے، اگر نبی اس سے نکاح کرنا چاہے، یہ مومنین کو چھوڑ کر آپ کے لئے خاص ہے۔ (الاحزاب: ۵۰)

صحیح بخاری (۵۱۱۳) میں ''هواك'' کا مطلب ''رضاك'' ہے۔ (فتح الباری ۹/۱۶۵)

یعنی اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ کی رضا میں جلدی فرماتا ہے۔ یہ اللہ اور رسول کا معاملہ ہے۔ اللہ کی مرضی ہے کہ وہ اپنے حبیب پر جتنے فضل و کرم اور رحمتوں کی بارش فرمائے، اس میں ناراض ہونے کی کیا بات ہے؟ نبی ﷺ کی پیاری بیوی سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے شوہر اور محبوب سے گفتگو کرے تو اس کا مذاق اُڑانا انھی لوگوں کا کام ہے جن کے دلوں میں رسول اللہ ﷺ اور ازواج مطہرات سے محبت نہیں ورنہ وہ اس کی کبھی جرأت نہ کرتے۔

یاد رہے کہ صحیح بخاری کی مذکورہ حدیث صحیح بخاری سے پہلے مسند احمد (۶/ ۱۵۸) میں بھی موجود ہے۔ [باقی آئندہ شمارے میں، ان شاء اللہ]

احسن الحدیث

حافظ ندیم ظہیر

مومنوں کو ایذا

﴿وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنٰتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوا فَقَدِ احْتَمَلُوا بُهْتَانًا وَّ اِثْمًا مُّبِيْنًا﴾

اور وہ لوگ جو مومن مردوں اور مومن عورتوں کو بغیر (کسی جرم کے) جو اُن سے سرزد ہوا ایذا (تکلیف) پہنچاتے ہیں تو یقیناً انھوں نے بہتان اور صریح گناہ کا بوجھ اُٹھایا۔ (الاحزاب:۵۸)

فقہ القرآن:

☆ گذشتہ آیت میں اللہ اور اس کے رسول کو ایذا پہنچانے والوں کے انجام کا تذکرہ ہے اور اس آیت میں اہلِ ایمان کو مصائب و آلام سے دوچار کرنے والوں کے لئے ترہیب و تنبیہ ہے۔

☆ ایک مومن آدمی کا اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت بڑا مقام ہے، یہی وجہ ہے کہ دینِ اسلام میں اہلِ ایمان کی توہین اور ان کے مال و عزت کو پامال کرنے سے سختی سے روکا گیا ہے۔ اس سلسلے میں چند ایک احادیث درج ذیل ہیں:

① رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: آدمی کو یہ برائی کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر جانے، ہر مسلمان کا خون، اس کی عزت اور اس کا مال دوسرے مسلمان پر حرام ہے۔ (صحیح مسلم:۲۵۶۴، دارالسلام:۶۵۴۱)

② رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((ومن لعن مؤمناً فهو كقتله ، ومن قذف مؤمناً بكفر فهو كقتله .)) جس شخص نے کسی مومن پر لعنت کی تو وہ اسے قتل کرنے کے برابر ہے اور جس نے کسی مومن کو کفر سے اتہام کیا تو (یہ بھی) اسے قتل کرنے کے مترادف ہے۔ (صحیح بخاری:۶۰۴۷)

③ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب مجھے معراج کرائی گئی تو میرا گزر کچھ ایسے لوگوں کے پاس سے ہوا جن کے ناخن تانبے کے تھے اور وہ اپنے چہروں اور سینوں کو نوچ رہے تھے۔ میں نے پوچھا اے جبریل! یہ کون لوگ ہیں؟ (تو جبریل نے) کہا: یہ وہ لوگ ہیں جو لوگوں کا گوشت کھاتے (یعنی غیبت کرتے ہیں) اور ان کی عزتوں کو پامال کرتے ہیں۔ (سنن ابی داود:۴۸۷۸ وسندہ صحیح)

☆ مذکورہ آیت اور احادیث سے یہ بات واضح ہوگئی کہ کسی طرح بھی اپنے مسلمان بھائی کو ایذا نہیں پہنچانی چاہیے۔

ڈاکٹر ابو جابر عبداللہ دامانوی

ایک غلط فہمی کا ازالہ

میری کتاب '' قرآن وحدیث میں تحریف '' کے صفحہ ۲۵ پر سورۃ الاحزاب آیت نمبر ۲۱ کے نیچے سورۃ الحشر آیت نمبر ۷ کا ترجمہ درج ہو گیا ہے جس سے بعض عربی سے ناواقف دوستوں نے یہ تبصرہ کیا ہے کہ آیت کا ترجمہ غلط کیا گیا ہے۔ یا مخالفین نے ان کو یہ بات باور کرانے کی کوشش کی ہے۔ حالانکہ یہ اس آیت کا ترجمہ ہی نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ کمپوزر نے کمپوزنگ کرتے وقت تقریباً آدھا صفحہ کمپوز نہیں کیا، جس سے یہ غلط فہمی پیدا ہوئی ہے اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ اصل مضمون ہمارے پاس محفوظ ہے جس میں یہ وضاحت موجود ہے۔ نیز میرا یہ مضمون حافظ زبیر علی زئی حفظہ اللہ کی کتاب نور العینین فی مسئلۃ رفع الیدین میں بھی موجود ہے اور یہ کتاب کافی عرصہ پہلے کراچی سے بھی شائع ہو چکی ہے۔ جو عبارت درمیان سے چھوٹ گئی ہے وہ یہ ہے: (آیت سورۃ الاحزاب نمبر ۲۱)

'' درحقیقت تم لوگوں کے لئے اللہ کے رسول (کی ذات) میں بہترین نمونہ موجود ہے۔ ہر اس شخص کے لئے جو اللہ اور یوم آخر کا امیدوار ہو اور کثرت سے اللہ کو یاد کرے۔''

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کی ذات کو مومنوں کیلئے بہترین نمونہ قرار دیا ہے۔ مسلمانوں کے لئے لازم ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی طرف سے انھیں جو کچھ ملے، وہ اسے مضبوطی سے تھام لیں کیونکہ اللہ اور یوم آخر پر ایمان کا یہ تقاضا ہے۔ **وما آتکم الرسول فخذوہ ومانھکم عنه فانتھوا واتقوا اللّٰہ إن اللّٰہ شدید العقاب** (الحشر آیت ۷) بحوالہ (نور العینین ص ۱۷) یہ پوری عبارت چونکہ چھپ نہیں سکی لہٰذا اس کے کمپوز نہ ہونے کی وجہ سے یہ ساری غلط فہمی پیدا ہوگئی ہے۔ آئندہ اشاعت میں اس غلطی کا تدارک کر دیا جائے گا۔ نیز بعض دوسری غلطیوں کو بھی درست کیا جائے گا۔ امید ہے کہ اس وضاحت کے بعد دوستوں کی تسلی ہو جائے گی۔ **إن شاء اللّٰہ تعالیٰ العزیز**

(۱۱/ جولائی ۲۰۰۷ء)